فرحت اشتیاق

خوشی کو ڈھونڈ لیجئے

کہتے ہیں وقت سب سے بڑا استاد ہے' وہ باتیں جو آپ کو نہ کتابیں پڑھ کر سمجھ میں آتی ہیں اور نہ ہی کالجوں' یونیورسٹیوں میں کسی اعلا ترین ڈگری کے حصول کے دوران' وہ سب وقت بڑے سفاکانہ انداز میں خود بخود ہی سمجھا دیا کرتا ہے۔ مجھے بھی وقت نے بہت کچھ سمجھا اور سکھا دیا ہے۔

ناولٹ

آج سے پانچ سال پہلے والی نیوذاکر اور آج کی نیوذاکر میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

میں خود بھی بے تحاشا خوش رہا کرتی تھی اور اپنے اردگرد موجود دوسرے لوگوں کو بھی اپنی باتوں اور زندگی سے بھرپور مسکراہٹوں سے خوش رکھا کرتی تھی۔

تب نیوذاکر نے دنیا کو سمجھنا شروع نہیں کیا تھا۔ وہ سادہ سی لڑکی سب لوگوں کو اپنے جیسا ہی سادہ سمجھا کرتی تھی۔ لوگوں کی چالاکیاں' مکاریاں' منہ پر کچھ اور پیٹھ پیچھے کچھ والی باتوں کا اسے ادراک ہی نہیں تھا لیکن پھر آہستہ آہستہ وقت اسے سب کچھ سمجھاتا چلا گیا۔ شروع شروع میں جب میں نے لوگوں کی منافقت دیکھی۔ بہت قریبی افراد بھی کس طرح حسد اور نفرت میں مبتلا ہوتے ہیں' یہ سب میں نے بہت قریب سے دیکھا۔ میں نے لوگوں کے ایک چہرے کے پیچھے چھپے کئی چہرے دیکھے ہیں۔

یہ بالکل شروع شروع کی بات ہے' جب مجھے لوگوں کی منافقت اور جھوٹ سے بہت تکلیف پہنچتی تھی۔ اب کم از کم ایسا نہیں ہے۔ ٹھیک ہے کہ میں لوگوں کی طرح جھوٹ نہیں بول سکتی' منافقانہ انداز نہیں اختیار کرسکتی' لیکن کم از کم اتنا تو کرہی سکتی ہوں کہ خود بھی لوگوں پر خلوص اور محبت نچھاور نہ کروں۔ اگر بہت سے لوگوں کو میں صرف ضرورت پڑنے پر ہی یاد آتی ہوں تو پھر میں بھی جواباً "انہیں اسی وقت یاد کرتی ہوں جب مجھے ان سے کوئی کام ہوتا ہے۔

کراچی جیسے بڑے شہر میں' میں اپنا ذاتی بیوٹی پارلر چلا رہی ہوں اور ہر روز میں کئی قسم کے لوگوں سے ملتی

سال پہلے والی نیوز اکر اور آج
ن کا فرق ہے۔
بے تحاشا خوش رہا کرتی تھی اور
ے لوگوں کو بھی اپنی باتوں
وں سے خوش رکھا کرتی تھی
نے دنیا کو سمجھنا شروع نہیں کیا
، لوگوں کو اپنے جیسا ہی سمجھ
کی چالاکیاں، مکاریاں، منہ پر
وں کا اسے اور اک ہی نیس
ت اسے سب کچھ سمجھا
جب میں نے لوگوں کی
افراد بھی کس طرح حسد
یہ سب میں نے بہت قریب
وں کے ایک چہرے کے

ب
شروع کی بات ہے، جب
وٹ سے بہت تکلیف
بس ہے۔ ٹھیک ہے کہ میں
بول سکتی، منافقانہ انداز
ز کم اتنا تو کر ہی سکتی ہوں
ور محبت نچھاور نہ کروں
صرف ضرورت پڑنے پر
جواباً "انہیں اسی وقت یاد
کوئی کام ہوتا ہے۔
ے شہر میں، میں اپنا
ہر روز میں کئی قسم کے

ہوں کہ اب کسی کی بھی صرف شکل دیکھ کر ہی اس کا فیملی بیک گراؤنڈ بتا سکتی ہوں۔ پبلک ڈیلنگ بہت مشکل کام ہے۔ ہر کسی کے بس کا نہیں ہے یہ کام اور یہ بے حد مشکل کام میں پچھلے پانچ سالوں سے بڑی خوب صورتی سے انجام دے رہی ہوں۔ ایک سو فیصد پروفیشنل انداز رکھنے والی لڑکی بن گئی ہوں میں۔

یہ میرا پروفیشنلزم ہی تو ہے کہ ایک بار جو کلائنٹ میرے پاس آجائے وہ پھر کسی دوسرے پارلر میں جانا پسند نہیں کرتی۔ اس کی وجوہات میں میری کام میں مہارت اور کام کو پوری توجہ سے کرنا شامل ہے ہی لیکن اس کے علاوہ کچھ اور عوامل بھی اس میں شامل ہیں۔ اچھا بزنس مین یا وومن وہ ہوتا ہے' جو دیرپا اور دور رس نتائج پر نگاہ رکھے۔ اگرچہ میں نے کسی نامی گرامی انسٹی ٹیوٹ سے بزنس ایڈمنسٹریشن میں کوئی ڈگری نہیں لے رکھی جو بزنس' مارکیٹنگ اور پبلک ریلیشنگ وغیرہ کو بطور سبجیکٹ پڑھ رکھا ہو' لیکن بغیر پڑھے بھی میں کسی بزنس اسکول کے گریجویٹ سے زیادہ چالاک اور ذہین بزنس وومن ہوں۔ اپنے ہر کلائنٹ کے ساتھ خوش اخلاقی اور خوش دلی سے ملنا تو میرا وصف ہی ہے۔ میرا ہر کلائنٹ دل ہی دل میں خود کو میرا سب سے خاص کلائنٹ سمجھتا ہے۔ اچھے کاروباری ادارے اور ملٹی نیشنل کمپنیاں جو طریقہ اختیار کرتی ہیں کہ دو صابن لو تو ایک مفت ٹوتھ پیسٹ کے ساتھ برش مفت اور گھی کے ایک کلو کے ڈبے پر دس روپے کی بچت وغیرہ وغیرہ ایسا ہی کچھ میں بھی کرتی ہوں۔ جو کلائنٹ پہلی مرتبہ آئی ہے اور اس نے صرف آئی بروز بنوائی ہیں تو میں اپر لپ مفت میں بنا دوں گی۔ کلینزنگ کروانے آئی ہے تو میں مفت میں بلیک ہیڈز بھی نکال کر اسے کلینزنگ کے پیسوں میں فیشل کے مزے کروا دوں گی۔ وہ تھوڑا سا نقصان بعد میں میری مستقل آنے والی کلائنٹس میں ایک اور کلائنٹ کا اضافہ کر دیتا ہے۔ حالانکہ آج کل کتنا سخت مقابلہ ہے۔ ہر گلی محلے میں بیوٹی پارلرز کا جمعہ بازار لگا ہوا ہے' لوگوں کے پاس بے تحاشا چوائس ہے ایسے میں یہ میری کاروباری کامیابی ہی ہے کہ میرے پاس ایک بار آنے والا پھر میرے علاوہ اور کہیں نہیں جاتا۔ باوجود اس کے کہ پھر دوبارہ میں پیسوں میں اس طرح کی رعایت کبھی بھی نہیں کرتی۔

پانچ سال پہلے جب میں نے اپنے اس پارلر کا آغاز کیا' اس وقت میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ آنے والے دنوں میں میرا پارلر اتنے زبردست طریقے سے چلنے لگے گا۔ یہ ایک ایسا کام تھا جو میں نے انتہائی مشکل حالات میں بہت ڈرتے ڈرتے شروع کیا تھا۔ کچھ میں خود ڈری ہوئی تھی' کچھ امی اور بہنوں نے بھی ڈرایا ہوا تھا۔

"تم کیسے کرو گی یہ کام اس قسم کے کاموں کے لیے جس طرح کی چالاکی اور ہوشیاری درکار ہوتی ہے' وہ تمہارے پاس ہے نہیں۔ ایک سے ایک چالاک اور چلتی پرزہ قسم کی عورتیں اور لڑکیاں آیا کریں گی تمہارے پاس۔ تم اس طرح کے لوگوں کو کس طرح ہینڈل کرو گی۔"

وہ لوگ وقتاً "فوقتاً" اس طرح کی باتیں کر کر کے میرا حوصلہ پست کرنے کی کوشش کیا کرتی تھیں۔ امی کو مجھ سے اس بات کا شکوہ تھا کہ اگر میں نے ان کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے کچھ پڑھ لکھ کر دے دیا ہوتا تو بجائے اس مشکل کام میں پڑنے کے سیدھے سیدھے کہیں کوئی مناسب سی جاب ہی کر لیتی۔ مگر اب اس بی اے جیسی عوامی ڈگری کے ساتھ اور وہ بھی سیکنڈ ڈویژن میں مجھے کون اپنے پاس ملازمت دے سکتا تھا۔

ہر آدمی' ہر چیز میں اچھا نہیں ہو سکتا' ہر آدمی ہر کام اچھا نہیں کر سکتا۔ میں بہت سے کاموں میں بہتر تھی لیکن افسوس کہ ان کاموں میں پڑھائی کبھی بھی شامل نہیں ہو سکی۔ حالانکہ میرے علاوہ باقی چاروں بہنیں پڑھائی میں بہت اچھی تھیں اور ان سب کو اچھا ہونا بھی چاہیے تھا۔ آخر امی اور ڈیڈی دونوں ہی بہت قابل اور ذہین افراد تھے تو ان کی بیٹیوں کو تو یہ ذہانت

وراثت میں ملی تھی۔

ڈیڈی بہت ہی لائق فائق ڈاکٹر تھے اور امی اپلائیڈ میتھس میں ایم ایس سی۔ ڈیڈی کا تو پتا نہیں کہ انہوں نے ہم بہنوں کے حوالے سے کیا کیا کچھ سوچ رکھا تھا کہ ان کی وفات ہمارے بچپن ہی میں ہو گئی تھی۔ ہم لوگوں کو تو وہ بہت اچھی طرح یاد بھی نہیں تھے۔ بس ذہن پر ایک عکس سا تھا کہ ڈیڈی ایسے ہنستے تھے' ایسے بولتے تھے۔ ہمارے لیے درحقیقت سب کچھ ہماری امی ہی تھیں انہوں نے ہی ہمیں پالا' ہماری پرورش کی اور تعلیم و تربیت کا انتظام کیا' ہمارے سب شوق پورے کیے۔ ہمیں ماں کے پیار کے ساتھ ساتھ باپ کا پیار بھی دیا اور ہماری امی کی سب سے بڑی خواہش اور سب سے بڑا خواب یہ تھا کہ ہم سب بہنیں اعلا تعلیم حاصل کریں۔ ایک تو مجھے پڑھنے کا کوئی خاص شوق ہی نہیں تھا' دوسرے میں کچھ خاص محنت بھی نہیں کرتی تھی۔

اب سوچتی ہوں تو افسوس ہوتا ہے کہ کاش میں نے امی کی خاطر ہی شوق نہ ہونے کے باوجود بھی پڑھنے میں سنجیدگی اختیار کر لی ہوتی۔ اکثر لوگ وقت گزرنے کے بعد ہی پچھتاتے ہیں اور ایسا ہی میں بھی کرتی ہوں۔

بہت مشکلوں سے ،، تے ہینچتے بی اے کرنے کے بعد میں نے اس خوف سے کہ کہیں امی مجھے فراغت سے گھومتا پھرتا دیکھ کر دوبارہ کہیں ایڈمشن نہ دلوا دیں۔ وقت گزاری کے لیے ایک بہت ہی اچھے بیوٹی پارلر سے بیوٹیشن کا کورس کرنے کے لیے وہاں داخلہ لے لیا۔ سجنے سنورنے کا مجھے بچپن ہی سے شوق ہے۔ باوجود اس کے کہ میں کوئی بہت حسین لڑکی نہیں ہوں' مگر مجھ میں اسٹائل بہت ہے۔ جب میں نے بیوٹیشن کا کورس نہیں کیا تھا تب بھی مجھے پہننے اوڑھنے اور میک اپ کا بہت سلیقہ تھا۔ کس موسم میں کون سا رنگ اور کون سا اسٹائل اچھا لگے گا اور کس تقریب میں کیسا میک اپ اور کیسا ہیئر اسٹائل ہمیں ان سب سے بخوبی آگاہ تھی۔

میری دوستیں میری بہت تعریفیں کرتی تھیں۔ اکثر کا خیال تھا کہ میں خوب صورت ہوں نہیں مگر خوب صورت لگتی ضرور ہوں۔ خوب صورتی کے بارے میں دیگر لوگوں کے کیا نظریات ہیں' میں نہیں جانتی مگر خود میرا اپنا ہمیشہ سے یہی نقطہ نظر رہا ہے کہ آج کے اس ترقی یافتہ دور میں خوب صورت نظر آنا کوئی بہت مشکل اور ناممکن بات نہیں رہ گئی۔ بس آپ کو پہننے اوڑھنے اور میک اپ کا ڈھنگ آنا چاہیے۔

اس وقت جب میں وہاں سے کورس کر رہی تھی' میں نے یہ بات سوچی بھی نہیں تھی کہ آنے والے دنوں میں مجھے اس کام کو اپنا پروفیشن بنانا پڑ جائے گا۔

امی ایک بہت ہی اچھے اسکول میں میتھس کی سینئر ٹیچر تھیں' جتنا اچھا وہ اسکول تھا اسی لحاظ سے امی کی تنخواہ بھی بہت شاندار تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ڈیڈی کی وفات کے بعد بھی ہم لوگ کسی شدید قسم کے مالی مسائل کا شکار نہیں ہوئے تھے۔ میتھس کے ٹیچرز کی تو ویلیو ہی بہت ہوتی ہے۔ اکثر بچے اسی مضمون میں کمزور ہوتے ہیں' یہی وجہ تھی کہ شام میں گھر پر بھی امی کے پاس لڑکیاں اور لڑکے ٹیوشن پڑھنے آیا کرتے تھے۔

گھر پر تو وہ ڈگری لیول تک کے اسٹوڈنٹس کو ٹیوشن پڑھایا کرتی تھیں اور ان ٹیوشنز سے تو انہیں اسکول سے بھی زیادہ رقم حاصل ہو جایا کرتی تھی۔ اسی لیے ہم لوگوں کا گزارا بہت اچھا ہو رہا تھا لیکن زندگی میں آزمائشوں کا دور تب آیا جب امی کو پہلی مرتبہ ہارٹ اٹیک ہوا۔

وہ شاید اب تھکنے لگی تھیں۔ انہیں ہم بہنوں کے مستقبل کی فکر رہنے لگی تھی۔ ہمارے سر پر نہ باپ تھا نہ بھائی۔ انہوں نے کبھی بیٹا نہ ہونے پر خدا سے شکوہ نہیں کیا تھا لیکن اب وہ اکثر شکوہ کرتی نظر آتیں کہ کاش خدا انہیں ایک بیٹا بھی دے دیتا۔ وہ ان کا سہارا بنتا' گھر کے سارے مسائل اپنے ذمے لے لیتا۔

اب وہ مستقل بیمار رہنے لگی تھیں۔ ڈاکٹرز کہتے تھے کہ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کی ٹینشن لیتی ہیں' لہٰذا

انہیں ہر قسم کی پریشانیوں سے دور اور خوش و خرم رکھنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔ میں امی سے کتنی شدید محبت کرتی ہوں، اس بات کا احساس مجھے ان کی بیماری سے پہلے کبھی ہوا ہی نہیں تھا۔ تب میں نے رو رو کر اللہ سے دعائیں مانگی تھیں۔ ”یا اللہ! میری ماں کو مجھ سے جدا مت کرنا۔ ڈیڈی میرے پاس نہیں۔ صرف ایک ماں ہے۔ اگر وہ بھی نہیں رہی تو پھر میں زندہ کس طرح رہوں گی۔“

یونہی روتے بلکتے میں نے اپنے گرد نظر ڈالی تو باقی چاروں بہنوں کی بھی اپنی ہی جیسی حالت دیکھی۔ وہ سب بھی میری طرح پریشان اور سہمی ہوئی تھیں۔ انہیں بھی ماں کی اتنی ہی ضرورت تھی جتنی مجھے تھی۔ پھر ہم سب بہنوں نے دن رات ایک کر کے امی کی تیمارداری کی تھی۔ مجھ سے ایک سال بڑی سارہ جو ان دنوں کراچی یونیورسٹی سے Genetics میں ماسٹرز کر رہی تھی اس نے اور میں نے باقی بہنوں سے بڑے ہونے کے ناتے اکیلے میں بیٹھ کر اس حوالے سے کافی تفصیلی گفتگو کی تھی کہ اس صورت حال میں اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ ایم ایس سی مکمل ہو جانے تک سارہ کہیں فل ٹائم جاب تو کر نہیں سکتی تھی اسی لیے اس نے اپنی ایک دوست کے توسط سے ہمارے گھر کے قریب ہی موجود ایک کوچنگ سینٹر میں انٹر کے اسٹوڈنٹس کو بوٹنی زولوجی پڑھانی شروع کر دی۔

سارہ نے مجھ سے یونہی مذاقاً یہ بات کہی کہ ”تمہارا تازہ تازہ کیا ہوا بیوٹیشن کا کورس کس دن کام آئے گا، تم ایسا کرو۔ کسی بیوٹی پارلر میں جاب کر لو۔“

اس کی مذاق میں کہی ہوئی یہ بات مجھے کچھ اچھی لگ گئی تھی۔ میں جانتی تھی کہ میں ایک بہت اچھی بیوٹیشن ہوں۔ جہاں سے میں نے سیکھا وہاں کی مالک مسز ارسلان اکثر میری مہارت کی تعریف کیا کرتی تھیں بلکہ جب میرا کورس ختم ہوا اور میں وہاں سے اپنا ڈپلومہ اور سرٹیفکیٹس وغیرہ لینے گئی تو انہوں نے مجھے وہاں جاب کی بھی آفر کی تھی جس پر میں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر انکار کر دیا تھا۔

سارہ کے مشورے کو سامنے رکھتے ہوئے میں نے اس بارے میں سوچ بچار کی تو میرے ذہن میں اپنا ذاتی پارلر کھولنے کا آئیڈیا آیا۔ کسی کے پاس جاب تو میں کبھی کر نہیں سکتی تھی کہ کوئی مجھ پر حکم چلائے، مجھ سے جواب طلبی کرے۔ یہ بات میں کبھی برداشت کر ہی نہیں سکتی تھی۔ اس لیے میں نے کسی پارلر میں جاب کرنے والے خیال کو تو فوراً ہی مسترد کر دیا تھا۔

جب میں نے اس کام کے تمام مثبت اور منفی پہلوؤں کا جائزہ لے لیا تو پھر اسے گھر والوں کے سامنے رکھا۔ نتیجہ بہت ہی حوصلہ شکن تھا۔ امی اور سارہ خاص طور پر مجھے مسلسل ڈرانے اور ہراساں کرنے میں لگی ہوئی تھیں۔

”تم کر ہی نہیں سکتیں یہ کام۔ ابھی تمہاری عمر کیا ہے۔ خالی کام میں مہارت کوئی بڑی بات نہیں۔ تمہیں لوگوں سے ڈیل کرنا ہی نہیں آئے گا۔ اس کام کے لیے تو کوئی بہت ہی تیز اور گھاگ قسم کی عورت ہونی چاہیے۔“

”جسے ہارنے کا ڈر ہو، وہ ضرور ہارتا ہے۔ اگر کوئی کام شروع کرنے سے پہلے ہی ہم نے یہ فیصلہ کر لیا کہ ہم یہ کام کر ہی نہیں سکتے تو اس کا مطلب ہے پچاس فیصد شکست تو ہم نے خود ہی بڑی آسانی سے قبول کر لی ہے اور بقیہ پچاس فیصد شکست ہماری کم ہمتی اور منفی سوچیں خود بخود عنایت کر دیں گی۔ تجربہ، تیزی اور چالاکی کوئی بازار میں بکنے والی چیز تو ہے نہیں کہ میں بازار جاؤں اور خرید کر لے آؤں اور نہ ہی یہ چیزیں کہیں آسمان سے ٹپکیں گی۔ میں بھی کام کر کے ہی سیکھوں گی۔ جب تک ٹھوکر نہیں کھاؤں گی تب تک سنبھلنا اور ڈھنگ سے چلنا بھی نہیں سیکھ پاؤں گی۔“

ان لوگوں کے اعتراضات کے جواب میں، میں نے بہت عزم اور حوصلے کے ساتھ اپنے خیالات ان لوگوں کے سامنے رکھے تھے۔ بہت بحث و تکرار کے بعد میں امی اور سارہ کو قائل کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

ایک کمرہ باقی گھر سے ذرا الگ بنا ہوا تھا۔ میں نے اسی میں پارلر کھولنے کا ارادہ کیا۔ اللہ کا نام لے کر میں

نے اپنے بیوٹی پارلر کا آغاز کر دیا۔ شروع شروع میں مجھے کتنی مشکلات پیش آئیں' یہ بہت ہی طویل داستان ہے۔

وہ جو امی اور سارہ مجھے لوگوں کی چالاکیوں سے ڈرایا کرتی تھیں اس کا بھی مجھے خوب اچھی طرح تجربہ ہوا۔ شروع میں میرے پاس آنے والی کلائنٹس میں زیادہ تعداد ہمارے پڑوس میں رہنے والی خواتین اور لڑکیوں کی تھی یا پھر خاندان کی لڑکیوں کی۔ اکثر میں پڑوس اور رشتہ داری نبھانے کے چکر میں اپنی مروّت کے ہاتھوں نقصان اٹھایا کرتی تھی۔ محلے کی کوئی خاتون میرے پاس اگر بال ٹرم (Trim) کروانے آتیں تو بالوں کی ٹرمنگ کرواتے کرواتے وہ پوری کٹنگ ہی کروا لیا کرتیں۔

"نیو! ذرا سا پیچھے سے ہلکا سا یو شیپ دے دو بالوں کو۔" ٹرم کرواتے کرواتے وہ لاپروائی سے کہتیں۔ ابھی میں بالوں کو پیچھے سے یو شیپ دے رہی ہوتی تو وہ فرماتیں۔

"آگے سے ہلکی ہلکی سی لیئرز اگر دے دی جائیں تو کیسا لگے گا؟" یوں "ہلکا" اور "ہلکی" کرتے وہ مجھ سے پوری لیئر کٹنگ کروا لیا کرتیں اور پیسے لیتے وقت مجھ سے مارے مروّت اور لحاظ کے یہ بات کبھی کہی ہی نہیں جاتی تھی کہ "آنٹی آپ نے فل کٹنگ کروائی ہے' آپ اس کے پیسے دیں۔"

ان کی چالاکی اور مکاری میری سمجھ میں تو آتی تھی مگر کسی کو منہ پر کس طرح اور کس انداز میں جواب دیتے ہیں یہ بات مجھے آتی ہی نہیں تھی۔

امی کو میری اس حرکت کا پتا چلا اور پتا بھی ظاہر ہے میرے بتانے پر ہی چلا تھا تو وہ مجھ پر خوب ناراض ہوئیں۔

"اگر فی سبیل اللہ اور خدمت خلق کے طور پر کام کرنے کا اتنا ہی شوق ہو رہا ہے تو پھر باہر ایک بڑا سا بورڈ لگوا لو جس پر "یہاں تمام کام مفت کیے جاتے ہیں۔" جلی حروف میں لکھا ہوا ہو۔"

"میں کیا کروں امی! مجھ سے پیسوں کے بارے میں

ڈاکٹر بشیر بدر
کی غزلوں کے مجموعے
★ آمد — غزلیں
★ آسمان — غزلیں
★ امیج — غزلیں
★ آہٹ — غزلیں
★ آس — غزلیں
★ کوئی شام گھر بھی رہا کرو (انتخاب)
★ کلیاتِ بشیر بدر (کلیات)
نوٹ: کلیات بشیر بدر میں نیا مج
"آس" بھی شامل ہ
دل کی گہرائیوں میں اُتر
والی انتہائی خوبصورت غز
نئے ایڈیشن
انتہائی خوبصورت گیٹ اپ کے
شائع ہو گئے ہ
سول ایجنٹ:
مکتبہ عمران ڈائجس
37 اردو بازار کراچی فون 361

کسی سے کچھ کہا ہی نہیں جاتا‘ عجیب سا لگتا ہے۔ انہیں خود اس بات کا احساس ہونا چاہیے کہ انہوں نے کیا کام کروایا ہے۔ خود کہنا کتنا برا سا لگتا ہے۔"

میں نے شرمندگی سے سر جھکا کر اپنی کمزوری کا اعتراف کیا تو امی غصہ اور ناراضی بھلا کر مجھے سمجھانے بیٹھ گئیں۔

"ان حرکتوں پر لوگ تمہیں کسی بہت اعلا خاندان کی فرد اور پیسے پر جان نہ دینے والی شخصیت نہیں سمجھیں گے بلکہ بے وقوف اور پاگل سمجھیں گے۔ بات دس روپے‘ سو روپے یا ہزار روپے کی نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ آپ کو اپنا حق لینا آتا ہے یا نہیں اور اس بات میں تمہیں شرمندگی بھی محسوس نہیں کرنی چاہیے۔ تم اپنے حق سے زیادہ تو کچھ طلب نہیں کر رہیں۔"

کچھ امی کے سمجھانے اور کچھ خود ہی لوگوں کی تیزی اور چالاکی دیکھ دیکھ کر آہستہ آہستہ میں نے کاروباری طور طریقے سیکھنے شروع کردیے۔ میں کام پوری محنت اور دیانت داری سے کیا کرتی تھی بہت سے دوسرے پارلرز کی طرح میں کبھی کوئی دو نمبر اور سستی پروڈکٹ امپورٹڈ اور اوریجنل بوتل یا ڈبے میں بھر کر اپنے کلائنٹس کو بے وقوف بنانے کی کوشش نہیں کرتی تھی۔

چند ہی سالوں میں‘ میں نے اپنے پاؤں جمانے اور ٹھوکر کھا کھا کر سنبھلنا اور مضبوط قدموں سے چلنا سیکھ لیا تھا۔ امی جو میری نالائقیوں اور بے وقوفیوں سے عاجز رہا کرتی تھیں میری کامیابیوں پر بے حد خوش تھیں۔ میں نے اور سارہ نے امی کی تمام ٹیوشنز ختم کروادی تھیں۔ اسکول کی جاب انہوں نے ہم لوگوں کے بہت کہنے پر بھی نہیں چھوڑی تھی۔ البتہ وہاں سے لونگ لیو (Long leave) لے لی تھی۔ اس لونگ لیو کے بعد انہوں نے دوبارہ سے اسکول جوائن کر لیا تو ہم لوگ اس بات پر خوش تو ہرگز نہیں تھے‘ لیکن انہیں روک بھی نہیں پائے تھے۔

سارہ کی منگنی اس کے بی ایس سی کے دوران ہی امی کی ایک کولیگ کے بیٹے کے ساتھ ہو چکی تھی۔ ادھر سارہ کا ایم ایس سی مکمل ہوا۔ ادھر ان لوگوں نے شادی کی جلدی مچادی۔ امی نے بھی اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ کہنے کو وہ مجھ سے ایک سال بڑی بہن تھی، لیکن میری اس سے بالکل دوستوں جیسی انڈر اسٹینڈنگ تھی‘ اس لیے اس کی شادی کے بعد میں نے اس کی کمی بے حد شدت سے محسوس کی تھی۔

اپنے معاشی مسائل کے حل اور امی کی پریشانیوں کو کم کرنے کے لیے میں نے محنت اور لگن سے جو کام شروع کیا تھا‘ اس سے میں مطمئن تو تھی لیکن پھر بھی کبھی کبھار مجھ پر مایوسیوں کا حملہ بھی ہو جایا کرتا تھا۔ اپنی ہم عمر بہت سی دوسری لڑکیوں کو بے فکری کی زندگی گزارتے دیکھ کر کبھی میں اللہ سے شکوے کرنے بیٹھ جایا کرتی تھی۔ لیکن زندگی سے یہ تمام شکوے اور شکایتیں صرف اس وقت تک تھیں جب تک میں صائمہ علی سے نہیں ملی تھی۔

صائمہ علی میری مستقل کلائنٹ ہے۔ میں نے اس سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ زندہ دلی‘ بہادری‘ خود اعتمادی۔ کہنے کو وہ میری ہی ہم عمر ہے مگر عزم اور ہمت میں وہ مجھ سے کہیں آگے ہے۔ وہ ایک بہت ہی سخت اور آزمائشوں سے بھری ہوئی زندگی گزار رہی ہے‘ پھر بھی وہ میری طرح زندگی سے کبھی ناراض نہیں ہوتی وہ کبھی بھی یہ نہیں کہتی کہ صرف میرے ہی ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ دوسری لڑکیاں تو اتنے مزے کی زندگی گزار رہی ہیں۔

زندہ دلی سے قہقہے لگاتی اور ہنستی مسکراتی ہوئی اس بے تحاشا حسین اور باہمت لڑکی کو دیکھ کر کوئی اندازہ ہی نہیں لگا سکتا کہ زندگی کس کس انداز میں اس کا امتحان لے رہی ہے۔

صائمہ کو میرے پاس آتے ہوئے غالباً" تین سال ہو گئے ہیں۔ وہ ایک غیر ملکی فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ میں CRO ہے۔ پہلی مرتبہ جب وہ میرے پاس آئی تو میں نے اسے کوئی خاص اہمیت نہیں دی تھی۔ دوسرے

لوگوں کی طرح اسے بھی میرے کام کرنے کا انداز پسند آیا تھا اس لیے وہ اس ایک مرتبہ کے بعد پابندی سے ہر دوسرے تیسرے مہینے میرے ہی پاس آنے لگی۔ اس کا ریسٹورنٹ ہمارے گھر سے بہت قریب تھا۔ اکثر وہ وہاں سے ڈیوٹی آف ہونے پر میرے پارلر میں آیا کرتی تھی۔

جتنی دیر میں اس کا فیشل یا بالوں کی کٹنگ کر رہی ہوتی، وہ مسلسل کچھ نہ کچھ بولتی رہتی لیکن ایک روز جب وہ میرے پاس آئی تو بہت چپ چپ سی تھی۔

"تمہارے بالوں کا حلیہ بھی بالکل بگڑا ہوا ہے صائمہ! سارا شیپ ہی خراب ہو گیا ہے۔ کہو تو کٹنگ کر دوں۔"

میں نے دھاگہ واپس دراز میں ڈالتے ہوئے اس سے کہا تو اس نے بیزاری سے بھرپور انداز میں منع کر دیا۔

"موڈ نہیں ہو رہا۔ بالوں کو تو کلپ لگا کر یا بینڈ میں جکڑ کر قابو کیا جا سکتا ہے۔ بھنوؤں کی مجبوری ہے۔ ورنہ میرا تو انہیں بنوانے کا بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ کسٹمرز کے ساتھ اچھے ریلیشنز رکھنے کے لیے یہ بھی تو ضروری ہے کہ آپ کی خوبصورت نظر آ رہی ہوں، اس پر مصنوعی مسکراہٹ ہو۔ بیماروں جیسی روتی بسورتی شکل دیکھ کر تو کسٹمرز بھاگ ہی جائیں گے۔"

وہ بہت جلے بھنے انداز میں بولی تھی۔ شاید بہت بھری ہوئی بیٹھی تھی۔ غالباً" اسے اپنے دکھ کہنے کے لیے ایک سننے والا درکار تھا۔ اتفاق سے اس وقت پارلر میں، میں اور وہ اکیلے ہی تھے۔

صائمہ کی زبانی اس کی ساری کہانی سن کر میں اللہ تعالیٰ سے اپنے تمام گلے شکووں پر جی بھر کر شرمندہ ہوئی تھی۔ صائمہ بے چاری تو ہر طرح سے حالات کے ظلم و ستم کا شکار تھی۔

"ہم سات بہن بھائی تھے۔ صائمہ سب سے بڑی تھی۔ پندرہ سال کی تھی جب ابا کا انتقال ہو گیا۔ ہم لوگ کرائے کے مکان میں رہتے تھے۔

میں نے ابھی صرف میٹرک ہی کیا تھا کہ زندگی یوں آندھیوں کی زد میں آ گئی۔ کالج میں پڑھنے اور ڈاکٹر بننے کے تمام خواب چکنا چور ہو گئے تھے۔ کوئی رشتہ دار، کوئی دوست اور کوئی پڑوسی ان مشکل حالات میں کام نہیں آیا تھا۔ بہت کوششوں سے مجھے ایک فیکٹری میں ملازمت ملی تھی۔ امی گھر پر لوگوں کے کپڑے سینے کا کام کرتیں اور میں سارا سارا دن فیکٹری میں سخت ترین مشقت کرتی، تب کہیں جا کر ان کے گھر میں چولہا جلا کرتا۔ ان سب سختیوں سے گزرنے کے ساتھ ساتھ پرائیوٹ انٹر کے امتحان کی بھی تیاری کی۔ انٹر کرنے کے بعد میں نے فیکٹری کی ملازمت چھوڑ کر کہیں اور بہتر ملازمت کرنے کا سوچا۔ جہاں معاوضہ ذرا بہتر مل سکے۔ اخبار میں اشتہار دیکھ کر وہ ایک پرائیوٹ فرم میں سیکریٹری کی جاب کے لیے پہنچ گئی۔ میری حیرت اور خوشی کی انتہا نہ رہی جب وہاں کے مالک نے چند آسان آسان سے سوال پوچھنے کے بعد اپنے پاس جاب دے دی۔ وہاں کی تنخواہ فیکٹری میں ملنے والی تنخواہ سے کہیں اچھی تھی۔

باس کا رویہ میرے ساتھ بہت اچھا تھا۔ مجھے ٹائپنگ کرنی اور ڈکٹیشن لینا نہیں آتا تھا لیکن وہ پھر بھی میری حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے۔ میں کسی کام میں کوئی غلطی کر دیتی تو اسے بڑے آرام سے نظر انداز کر دیا کرتے۔ میں بہت کم عمر تھی اس وقت۔ مجھے باہر کی دنیا اور مردوں کی کمینگی کا پتا ہی نہیں تھا۔ وہ مجھ سے بیٹا بیٹا کر کے بات کرتے تو میں نے انہیں سچ مچ اپنے والد ہی کی طرح سمجھ لیا تھا۔ مجھے اتنی عقل ہی نہیں تھی کہ انٹر جیسی کم تعلیم اور بغیر کسی تجربے، ٹائپنگ، شارٹ ہینڈ اور دیگر دفتری امور میں ناواقفیت کے باوجود بھی انہوں نے مجھے اپنے پاس جاب کیوں دے دی ہے۔ میں تو بس اسے اپنی خوش قسمتی سمجھ کر بے تحاشا خوش تھی۔ وہ مجھے اہمیت دیتے، میری حوصلہ افزائی کرتے یہ کہتے کہ ان کے ہاں جاب کرنے کے ساتھ ساتھ مجھے آگے بی اے کے امتحان کی تیاری بھی شروع کر دینی

چاہیے۔ وہ کہتے تھے کہ آگے پڑھنے کے سلسلے میں وہ میری بھرپور مدد کریں گے۔ صرف دو مہینوں میں ہی میں نے خوابوں ہی خوابوں میں خود کو بی اے اور ایم اے کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اسی امید میں سیکریٹری کی جگہ کسی اور اچھی پوسٹ پر کام کرتے ہوئے میں خود کو تصور میں دیکھا کرتی تھی۔

وہ اکثر مجھے چھٹی کے بعد بھی آفس میں روک لیا کرتے تھے۔ ایک روز چھٹی کے بعد انہوں نے مجھ سے رکنے کے لیے کہا تو میں ہمیشہ کی طرح بڑے آرام سے رک گئی۔ یہ دیکھے بغیر کے باقی سارا اسٹاف چھٹی کرکے جا چکا ہے۔ ہمارا آفس پانچویں منزل پر تھا اور اس فلور پر ہمارے آفس کے علاوہ دو آفسز اور تھے۔ وہاں چھٹی ہمارے آفس سے پہلے ہو جایا کرتی تھی اس لیے اس وقت وہاں مکمل سناٹا اور ویرانی تھی۔ میں کم عمر اور نادان تھی تو میری ماں بھی بہت سیدھی کم عقل اور بے وقوف عورت تھی۔ ورنہ یہ بات ضرور سوچتی کہ کسی غیر معمولی کوالیفیکیشن کے نہ ہونے کے باوجود اس کی بیٹی پر اس کا باس کیوں مہربان ہو رہا ہے۔

سارے فساد کی جڑ میری یہ شکل تھی نیو! میری یہ حسین صورت۔ یہ خوب صورتی جس میں اس وقت بہت سی معصومیت اور بھولپن بھی شامل تھا۔ میری یہ خوب صورتی جس کا مجھے احساس نہیں تھا۔ کبھی ہم فلموں میں اس طرح کا سین دیکھتے ہیں تو کس قدر انجوائے کرتے ہیں۔ ایک لڑکی چیخ رہی ہے 'بچاؤ بچاؤ' کی آوازیں لگا رہی ہے۔ فلموں میں ہمیں معلوم ہوتا ہے ہیروئن پر کوئی آنچ نہیں آئے گی' ایک خوبرو سا ہیرو ساری رکاوٹیں عبور کرتا' سارے زمانے سے ٹکر لیتا اسے بچانے آجائے گا۔ لیکن حقیقی زندگی میں کوئی ہیرو نہیں آتا نیو! کوئی ہیرو' کسی صائمہ علی کو بچانے نہیں آتا نیو۔"

وہ میرے سامنے بیٹھ کر بھرائی ہوئی آواز میں رو رہی تھی۔ میں دم سادھے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

اس کا خیال تھا کہ میں کم عمر اور بے وقوف سی لڑکی ہوں۔ اس کی مہربانیوں اور اپنے معاشی مسائل کا سوچتے ہوئے اور یہ بات ذہن میں رکھتے ہوئے کہ اگر میں نے اس کی بات نہ مانی تو وہ مجھے ملازمت سے نکال دے گا' پھر مجھے کہاں ملازمت ملے گی۔ خود کو بڑے آرام سے اس کے حوالے کر دوں گی۔ وہ مجھے بہت سے سنہرے خواب دکھا رہا تھا۔ میری تنخواہ میں اضافہ ہو جائے گا اور بھی بہت سی سہولتیں ملیں گی۔ اس روز مجھے یہ بات پتا چلی تھی نیو! کہ یہ ملازمت مجھے میری شکل' صورت' اور کم عمری کی وجہ سے ملی ہے۔ وہ دو مہینوں کی تنخواہ جو میں نے اپنے کام کا معاوضہ سمجھ کر وصول کی تھی' وہ میرے کام کی وجہ سے نہیں بلکہ میرے حسن اور خوبصورتی کی وجہ سے مجھے ملی تھی۔ میں نے خود کو اس سے کس طرح بچایا میں تمہیں نہیں بتا سکتی۔ پتا نہیں میرے ماں باپ کی کوئی نیکیاں تھیں یا اللہ کو مجھ پر رحم آگیا تھا جو میں اس درندے سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ اندھا دھند بھاگتی میں تیزی سے سیڑھیاں اتر کر اس بلڈنگ سے باہر نکل آئی تھی۔ مجھے پتا نہیں تھا میں زندہ ہوں بھی یا نہیں۔

بہت دیر تک میں روڈ پر یونہی بھاگنے کے انداز میں چلنے لگی اور پھر تھک کر مین روڈ کے ایک طرف فٹ پاتھ پر بیٹھ گئی تھی۔ میرے پاس سے گزرتی ایک راہ گیر عورت نے مجھے بھکارن سمجھ کر چند سکے میری جھولی میں ڈال دیے۔ وہ مجھے بھکارن سمجھنے میں حق بجانب تھی۔ میرا حلیہ ہی ایسا تھا۔ میرا وہ ہزار دفعہ کا پہنا ہوا سوٹ جسے اس دن صبح میں خوب کلف لگا کر اور استری جما کر پہن کر آئی تھی' کئی جگہ سے پھٹ چکا تھا۔ نیو! دوپٹہ میرا وہاں آفس کے اسی کمرے میں ہی گر چکا تھا۔ میں کتنی دیر تک وہاں بیٹھ کر روتی رہی مجھے یاد نہیں۔ مجھے دنیا سے' زندگی سے' لوگوں سے ہر چیز سے نفرت ہو رہی تھی' شدید نفرت۔ میں نے اس لمحہ بڑی شدت سے اللہ سے اپنے لیے موت مانگی تھی۔ قریب تھا کہ میں سامنے سے آتی کسی بھی گاڑی کے آگے آکر خود کو موت کے حوالے کر دیتی کہ اچانک میرے ذہن میں

میری ماں اور چھوٹے بہن بھائیوں کے آنسوؤں سے بھیگے ہوئے چہرے آ گئے۔ اپنے گھر کا بجھا ہوا چولہا آ گیا۔ نہیں مجھے زندہ رہنا ہے۔ اپنی ماں اور بہن بھائیوں کے لیے۔

اس لمحہ میں نے ایک نیا جنم لیا تھا۔ ایک نئی صائمہ علی نے جنم لیا تھا۔ وہ پرانی، بے وقوف، سیدھی اور لوگوں پر آنکھیں بند کر کے بھروسہ کرنے والی صائمہ علی کو میں نے اسی فٹ پاتھ پر ان سکوں کے ساتھ بیٹھا چھوڑ دیا تھا اور خود واپس اپنے گھر آ گئی تھی۔ میں نے سمجھ لیا تھا کہ مجھے اسی دنیا میں اور ان ہی لوگوں کے ساتھ زندہ رہنا ہے۔ لوگ میری خاطر نہیں بدلیں گے، مجھے خود کو لوگوں کی خاطر بدلنا ہو گا۔ اپنی حفاظت کرنا سیکھنا ہو گی۔ بہادری سے زندگی سے لڑنا ہو گا۔

اس نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے ایک پل کے لیے میری طرف دیکھا اور میری آنکھوں میں اپنے لیے دکھ اور آنسو دیکھ کر بہت دکھ بھرے انداز میں ہلکا سا مسکرائی۔

"پھر میں نے بہت جگہوں پر نوکریاں کیں، کبھی کسی اسکول میں کیشیئر کی، کبھی کسی آفس میں ٹیلی فون آپریٹر کی، کبھی ریسپشنسٹ کی۔ لیکن پھر دوبارہ میں نے کسی مرد کے ہاتھوں کبھی دھوکا نہیں کھایا۔ میں نے لوگوں کے چہرے اور ان کی نگاہیں پڑھنا سیکھ لی تھیں۔ اپنے رویے میں سختی اور کھردرا پن شامل کر لیا تھا۔ تعلیم کا سلسلہ میرا ٹوٹ گیا تھا۔ اب مجھے اپنی تعلیم سے زیادہ اپنے بہن بھائیوں کی تعلیم کی پروا تھی۔ وہ سب اچھی تعلیم حاصل کریں تاکہ انہیں میری طرح کے مسائل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

پھر ایک روز میں اپنی ایک کولیگ کے ساتھ قسمت آزمائی کے لیے اس ریسٹورنٹ میں انٹرویو دینے کے لیے پہنچ گئی۔ وہاں نوکری کے لیے اچھی پرسنیلٹی اور اچھی انگلش لازمی چیزیں تھیں اور یہ دونوں ہی چیزیں میرے پاس تھیں۔ میں دو دو جگہ کام کر کے تھک جایا کرتی تھی۔ مجھے یہاں جاب ملی تو میرا بہت بڑا مسئلہ حل ہو گیا۔ میں نے گھر جا کر خوشی خوشی امی کو اس جاب کا بتایا تو وہ بجائے خوش ہونے کے مجھ سے ناراض ہو گئیں، پورے چار دن انہوں نے مجھ سے بول چال بند رکھی۔

"میری بیٹی اب لوگوں کو برگر، پیزا اور کولڈ ڈرنکس پیش کیا کرے گی۔ یہی دن دیکھنے کے لیے زندہ تھی کیا میں کہ میری بیٹی بیرا گیری کرے گی۔"

میں انہیں سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی کہ میں بیرا گیری نہیں کر رہی۔ ہم لوگ تو کاؤنٹر پر کھڑے رہا کریں گے، لوگ اپنی ٹرے اٹھا کر خود اپنی میز پر لے کر جایا کریں گے۔ بہت مشکلوں سے امی کو منایا تو خاندان والوں کے اعتراضات شروع ہو گئے۔ ماموں، خالہ، چچا، پھوپھی سب نے خوب لعن طعن کی۔ ماموں نے تو باقاعدہ ہم لوگوں کا سوشل بائیکاٹ کر دیا۔ امی سے صاف کہہ دیا گیا کہ وہ اب ہم لوگوں سے نہیں ملا کریں گے۔ ان کی بیٹی کوٹ پتلون پہن کر فرنگیوں کے سے رنگ ڈھنگ اختیار کر کے لوگوں کو ٹرے میں کھانے سجا سجا کر دیا کرے گی۔ ایسی کمائی پر لعنت ہے اور ایسی کمائی جس گھر میں آئے اس گھر والوں پر بھی لعنت ہے۔ امی ان کے طعنوں پر بہت روئی تھیں۔ مجھے ان کے رونے پر شدید غصہ آیا تھا۔ جب ہم بہن بھائی بھوک سے تڑپ رہے تھے۔ جب ہمارے گھر کا چولہا بند پڑا تھا، جب مالک مکان کرایہ نہ دینے پر دھمکیوں پر دھمکیاں دے رہا تھا اس وقت کہاں تھے یہ رشتے دار۔

میں نے ان لعنت بھیجنے والوں پر جوابی لعنت بھیجی اور اپنی جاب میں مصروف ہو گئی۔ میرے لیے تو میری یہ جاب پہلی والی جابز سے زیادہ اچھی ثابت ہوئی۔ اللہ نے مجھے ترقی اور عزت بھی دے دی ہے۔"

وہ اپنی بات کے اختتام پر خوشگوار سے انداز میں مسکرائی تو بے ساختہ ہی میرا دھیان اس کے کچھ دیر پہلے کے خاموش خاموش اور بیزار سے انداز کی طرف چلا گیا۔ اس سے اتنی ساری گفتگو کے بعد اب مجھے اس بارے میں پوچھنا برا نہیں لگا لہٰذا میں فوراً ہی اس سے اس بارے میں پوچھنے لگی۔ وہ میرا سوال سن کر مسکرائی دی۔

"کچھ خاص بات نہیں یار! بس یونہی ذرا میں ٹینس ہو گئی تھی۔ مضبوط اعصاب کے حامل لوگ بھی تو کبھی کبھار کسی چھوٹی سی بات پر پریشان ہو سکتے ہیں۔"

اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا اور پھر مجھے اس بارے میں متجسس دیکھ کر خود ہی اپنی ٹینشن کی وجہ بتانے لگی۔

"ہمارے پاس آنے والے اکثر لوگ پڑھے لکھے اور مہذب قسم کے ہیں۔ زیادہ تر کسٹمرز کلچرڈ اور تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ لیکن ان ہی کلچرڈ اور مہذب لوگوں کے ساتھ ساتھ کبھی کبھار کچھ بے ہودہ قسم کے لوگ بھی آجاتے ہیں۔ ایسے ہی آج کل ایک فضول سا لڑکا وہاں آرہا ہے۔ بہت قیمتی گاڑی میں، خوب مہنگا سا موبائل ہاتھ میں لے کر کچھ پڑھا لکھا بھی ہے۔ لگتا تو یہی ہے کہ کسی اچھی یونیورسٹی میں پڑھتا ہوگا لیکن تعلیم نے اس بندے کا کچھ نہیں بگاڑا۔ امیر ماں باپ کا یہ بگڑا ہوا بیٹا آج کل مجھے بہت پریشان کر رہا ہے۔ ویسے تو خیر اس طرح کے لوگوں کی میں پروا نہیں کرتی۔ ہمارے ہاں سیکیورٹی کا انتظام بھی بہت اچھا ہے لیکن کل اس بندے نے ریسٹورنٹ میں آکر خوب ہنگامہ کیا۔ شراب پی ہوئی تھی اس نے اور شراب کے نشے میں اس نے وہاں جو توڑ پھوڑ اور ہنگامہ کیا تو پھر نوبت پولیس بلانے تک پہنچ گئی۔ اتنے لوگوں کے سامنے وہ میری طرف اشارہ کر کر کے کہہ رہا تھا کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں لیکن یہ میری محبت کا جواب محبت سے نہیں دیتی۔ اتنے سارے لوگوں کے سامنے مجھے اس بات پر بہت شرمندگی ہوئی۔ حالانکہ بعد میں ہمارے منیجر نے مجھے بلا کر کافی تسلی دی تھی اور سمجھایا تھا کہ میں اس واقعہ پر پریشان نہ ہوں۔ ریسٹورنٹ میں، میں ہر طرح محفوظ ہوں اور یہاں سے باہر بھی مجھے گھر تک پہنچانے ریسٹورنٹ کی گاڑی ہی جاتی ہے اور یوں بھی اس طرح کے لوگ صرف اس طرح کی ہلڑبازی ہی کر سکتے ہیں۔ ان سے ڈرنا بالکل بھی نہیں چاہیے۔"

وہ ساری بات مجھے بتا کر خاموش ہوئی، میں تب بھی اس کی طرف یونہی خاموشی سے، متحیر سے انداز میں دیکھتی رہی۔

"اس طرح کی باتوں پر میں پریشان نہیں ہوئی۔ یہ تو ابھی تازہ تازہ کل ہی کا واقعہ ہے اس لیے تمہیں میں الجھی ہوئی لگی ہوں۔ ایک دو روز کے بعد تو میں اس بات کو سرے سے بھول ہی چکی ہوں گی۔"

وہ ایک مرتبہ پھر وہی ہنستی مسکراتی ہوئی صائمہ بن گئی۔ پھر اس روز کے بعد سے میری صائمہ سے بہت اچھی دوستی ہو گئی تھی اور اس دوستی کا سبب اس کی بہادری اور حوصلہ مندی تھی۔ زندگی میں تکلیفیں تو بہت سے لوگ اٹھاتے ہیں۔ لیکن ہر کوئی ان تکلیفوں کو اتنے حوصلے سے، ہمت سے برداشت نہیں کرتا جتنا وہ لڑکی کر رہی تھی۔ وہ کسی کو بھی خود پر ترس کھانے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ اس سے ملنے والا کوئی بھی فرد یہ اندازہ لگا ہی نہیں سکتا تھا کہ بظاہر یہ ہنستی اور کھلکھلاتی لڑکی اپنے دل کے اندر کتنے غم اور کتنے آنسو چھپائے بیٹھی ہے۔ اس نے مجھے بہت کچھ سکھایا تھا۔ ہمت، حوصلہ، بہادری، زندہ دلی۔ وہ زندگی سے خوش تھی، اسے زندگی سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ حالانکہ وہ ابھی بھی بہت سے مسائل کا شکار تھی۔

اس سے چھوٹی بہن B.S.C کرنے کے بعد ایک اسکول میں پڑھانے لگی تھی۔ لیکن وہ اپنی تنخواہ خود اپنے آپ پر ہی خرچ کر لیا کرتی تھی۔ صائمہ پر پہلے اگر سات افراد کی ذمہ داری تھی تو اب چھ افراد کی تھی۔ وہ انہیں بہت اچھی تعلیم دلوا رہی تھی۔ اس کی خواہش تھی کہ اس کے بھائی خوب ساری تعلیم حاصل کریں۔ یوں اس کی جدوجہد ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔

صائمہ سے کیا ملی، میری مایوسیاں اور زندگی سے شکایتیں یکسر ہی ختم ہو گئیں۔

آنے والے دنوں میں اللہ تعالیٰ نے میرے پارلر کو مزید ترقی عطا کر دی تھی، اکیلے لوگوں کے رش سے نمٹنا میرے لیے مشکل ہونے لگا تو میں نے شگفتہ اور تابندہ کو اپنے پاس ملازم رکھ لیا۔ وقت دبے پاؤں گزرتا چلا گیا تھا۔ اب مڑ کر دیکھوں تو کل کی بات لگتی ہے حالانکہ پورے پانچ برس ہو گئے ہیں مجھے اپنے پارلر کو

چلاتے ہوئے۔ ان گزرتے برسوں میں امی کی صحت مزید خراب ہو گئی تو انہیں مجبوراً جاب چھوڑنی پڑ گئی۔ سچی بات تو یہ تھی کہ اب ان کے جاب کے بغیر بھی ہمارا گزارا بہت اچھی طرح ہو سکتا تھا اسی لیے میرے سمجھانے پر وہ خاموشی سے میری بات مان گئی تھیں۔

✵ ✵ ✵

میں حریم کو ساتھ لے کر قریبی مارکیٹ سے مہینے بھر کا سودا لینے آئی ہوئی تھی۔ وہ سارے کام جو پہلے امی کیا کرتی تھیں میں نے از خود اپنے ذمے لے لیے تھے۔ اب اکثر امی کے بغیر ہی کسی نہ کسی بہن کو ساتھ لے کر مارکیٹ آجایا کرتی تھی۔ پارلر میرا گیارہ بجے سے پہلے نہیں کھلتا تھا اور صبح صبح اتنے کوئی خاص لوگ آتے بھی نہیں تھے، اسی لیے مجھے جو بھی کام کرنا ہوتا، میں اسے صبح صبح ہی نمٹا لیا کرتی تھی۔ خریداری سے فارغ ہو کر میرا بجلی کا بل جمع کرواتے ہوئے گھر واپس جانے کا ارادہ تھا۔ مارکیٹ سے خریداری کر کے میں نے بینک کی طرف جانے والی سڑک پر جیسے ہی گاڑی موڑی، پیچھے سے آنے والی ایک ہیجیرو نے بڑی زوردار ٹکر میری آلٹو کو ماری۔ شکر تھا کہ کوئی بڑا حادثہ نہیں ہوا تھا۔ مجھے اور حریم کو کوئی چوٹیں بھی نہیں آئی تھیں، البتہ میری چھوٹی سی آلٹو اچھی خاصی زخمی ہو گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ میں اتر کر پجیرو میں بیٹھے ان دونوں لڑکوں کے پاس پہنچتی، وہ میرا ارادہ بھانپ کر فوراً ہی تیز رفتاری سے سگنل توڑتے گاڑی بھگا لے گئے تھے۔

میرا ان سے ٹھیک ٹھاک جھگڑا کرنے اور اپنا نقصان وصول کرنے کا ارادہ تھا اسی لیے میں نے ٹریفک رکنے اور پیچھے سے آنے والی گاڑیوں کے مسلسل ہارن دینے کے باوجود بھی گاڑی بیچ سڑک پر روک دی۔ لیکن جیسے ہی انہیں بھاگتے دیکھا تو میں نے بھی آؤ دیکھا نہ تاؤ اور گاڑی فل اسپیڈ میں ان کے پیچھے دوڑانی شروع کر دی۔

"باپ کی کمائی پر عیش کر رہے ہیں اور باپ کے پاس کون سی حلال کی اور محنت کی کمائی سے آئی ہو گی یہ پجیرو۔ محنت سے کمایا ہو تو درد بھی ہو۔"

میں نے باآواز بلند اپنے غصے کا اظہار حریم سے کیا۔ ایک نظر میں ہی میں دیکھ چکی تھی کہ وہ دونوں لڑکے اٹھارہ انیس سال سے زیادہ عمر کے نہیں تھے باپ کا پیسہ، باپ کی گاڑی۔ اس طرح کی بدہضمی ایسے ہی لوگوں کو ہوتی ہے۔ حریم مجھے ان لوگوں کے پیچھے غصے بھرے انداز میں گاڑی دوڑاتے دیکھ کر کچھ سہمی ہوئی بیٹھی تھی۔

"چھوڑیں نا آپا جانے دیں۔" وہ ڈرتے ڈرتے آہستہ سے مجھ سے بولی تو میں نے ایک تیز نگاہ اس پر ڈالی۔

"تم اپنی چونچ بند رکھو۔" اسے ڈانٹ کر میں نے دوبارہ اپنی نگاہیں ان کے تعاقب میں مرکوز کر دی تھیں۔ وہ مجھے مسلسل اپنے پیچھے آتے دیکھ کر کچھ بوکھلا گئے تھے اسی لیے گاڑی مین روڈ سے نکال کر رہائشی مکانات کی گلیوں کی طرف موڑ دی۔ ایک گلی میں وہ مڑے تو ان کے پیچھے میں نے بھی اسی گلی میں گاڑی موڑی۔ میری بہت کوششوں کے باوجود بھی وہ لوگ مجھ سے بہت آگے تھے، اس لیے میں غصے کے ساتھ ساتھ جھنجھلاہٹ اور کوفت میں بھی مبتلا ہونے لگی اور اسی جھنجھلاہٹ میں میری اسپیڈ خطرناک حد تک تیز ہو گئی۔ بے احتیاطی اور غصے کی شدت کے سبب ٹرن کرتے ہی میری گاڑی سامنے سے انتہائی مناسب رفتار سے آتی اس بالکل نئے ماڈل کی سلور بلیک کلر کی ٹویوٹا سے ٹکرائی تھی۔ گو کہ میں نے فوراً ہی بریک پر پاؤں رکھ دیا تھا، لیکن پھر بھی رکتے رکتے بھی میری گاڑی اس سامنے والی گاڑی سے ٹکرا گئی۔

سامنے ٹویوٹا میں بیٹھا بندہ بھی کوئی میرا بھائی بند ہی تھا۔ اسی لیے فوراً ہی بڑے غصے سے گاڑی کا دروازہ کھول کر اترا تھا۔ حالانکہ اس کی گاڑی پر بہت ہی معمولی سا ڈینٹ جو بغور دیکھنے پر ہی نظر آسکتا تھا پڑا تھا۔ اس مصیبت سے پیچھا چھڑانے کے لیے میں خود بھی گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ باہر نکلتے ہی

جیسے ہی میں نے اپنی طرف بڑے غصے سے آتے اس بندے کو بغور دیکھا تو مجھے حیرت کا جھٹکا لگا۔

"نعمان خاور!" میرے ہونٹوں سے بے آواز اس کا نام نکلا تھا۔ وہ جو گاڑی کا دروازہ دھماکے سے بند کر کے بڑے غصے سے میری طرف بڑھا، مجھے دیکھنے کے ساتھ ہی اس کے غصے بھرے تاثرات فوراً ہی غائب ہو گئے۔

"اس قسم کی ڈرائیونگ کی امید میں آپ سے ہی رکھ سکتا تھا۔ بغیر آپ کی طرف دیکھے بھی گاڑی کی اسپیڈ دیکھتے ہوئے میرے دل میں یہی بات آئی تھی کہ یہ جو کوئی بھی خاتون ہیں نیوڈاکر کے سے انداز میں ڈرائیو کر رہی ہیں۔"

وہ میرے پاس آ کر رک کر مسکراتے ہوئے بولا۔

میں نے اخلاقاً مسکرانے کی کوشش کی تو تھی لیکن باوجود کوشش کے بھی میرے لبوں پر ہلکی سی بھی مسکراہٹ نہیں آسکی۔

"آپ ہی جیسے شاگرد ہوتے ہیں جو اساتذہ کا نام روشن کرتے ہیں۔ کبھی کوئی آپ سے پوچھے کہ آپ نے گاڑی کس سے چلانی سیکھی تھی تو از راہ مہربانی میرا نام صیغۂ راز میں ہی رکھیے گا۔" وہ کچھ شرارتی سے انداز میں مسکراہٹ لبوں پر روکتے ہوئے بولا۔

"افسوس میری ساری محنت ضائع ہو گئی۔"

اب اس کا لہجہ بہت دکھ بھرا تھا۔

"ویسے ہو کیا رہا ہے آج کل۔ وہی بیوٹی پارلر ہی چلا رہی ہیں یا کچھ اور کر رہی ہیں۔" اس نے خود ہی موضوع تبدیل کر دیا۔

"جی وہی پارلر ہی چلا رہی ہوں۔" میں نے بہت سنجیدگی اور متانت سے اسے جواب دیا، بغیر چہرے پر مسکراہٹ لائے۔

"آپ ٹھیک تو رہیں اتنے دنوں۔ کافی عرصے بعد آپ سے ملاقات ہوئی ہے۔" وہ یوں بولا گویا ہم دونوں اس سے پہلے بھی آپس میں کافی دوستانہ انداز میں ملتے رہے ہوں۔

"جی میں خیریت سے ہوں۔" میں نے ایک مرتبہ پھر سنجیدگی سے جواب دے کر خاموشی اختیار کر لی تھی۔ اصولاً تو مجھے اس کی گاڑی کو پہنچنے والے نقصان پر اس سے معذرت کرنی چاہیے تھی لیکن وہ موصوف ضرورت سے زیادہ خوش اخلاقی اور بے تکلفی کا مظاہرہ کر کے مجھے بلاوجہ چڑا رہے تھے اسی لیے میں نے فی الفور معذرت کرنے اور خشک سا انداز اختیار کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

"میں بھی آپ کی دعاؤں سے بالکل خیریت سے ہوں اور ڈرائیونگ اسکول بھی آپ کی دعاؤں سے خوب اچھا چل رہا ہے۔"

میرے خیریت پوچھے بغیر وہ خود ہی اپنی خیریت سے آگاہ کر رہا تھا۔ میں اب جلد سے جلد اس سے پیچھا چھڑانے کے چکر میں تھی۔

"دیکھیں صرف ڈیڑھ سال میں اللہ نے مجھے کتنی کامیابی دی ہے۔ پہلے صرف گلشن میں تھا میرا ڈرائیونگ اسکول، اب بہادر آباد اور نارتھ میں بھی میرے اسکول کی برانچز کھل گئی ہیں اور ماشاءاللہ سے تینوں ہی جگہ میرا اسکول خوب اچھی طرح چل رہا ہے۔"

اسے میری بیزاری نظر ہی نہیں آ رہی تھی۔ بڑی خوشی خوشی وہ اس طرح یہ سب مجھے بتا رہا تھا۔ اپنے والٹ میں سے اس نے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر میرے ہاتھ میں پکڑایا جسے میں نے بے دلی سے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

"اس میں میرے تینوں اسکولز کے ایڈریسز موجود ہیں اور میرا موبائل نمبر بھی ہے۔ کبھی کوئی کام ہو تو مجھے کہئے گا، مجھے خوشی ہوگی۔"

وہ واپس اپنی گاڑی کی طرف مڑ گیا۔ میں شکر کا سانس لیتی جلدی سے گاڑی میں بیٹھ گئی تھی اور پھر اس سے بھی پہلے گاڑی اسٹارٹ کر کے وہاں سے روانہ ہو گئی تھی۔ بینک جانے کا تو میرا موڈ ختم ہو چکا تھا اس لیے گاڑی گھر جانے والے راستے پر ڈال دی تھی۔

"پپا! یہ آپ کے انسٹرکٹر تھے نا۔ ان ہی سے آپ نے گاڑی چلانی سیکھی تھی؟" حریم مجھ سے پوچھنے

میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر گردن ہلا دی تھی۔

"آپ ان سے اتنے روڈ طریقے سے کیوں ملیں۔ وہ بے چارے کتنی خوش اخلاقی سے آپ سے بات کر رہے تھے۔" حریم نے گویا مجھے میری بد اخلاقی اور بدتمیزی سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔

"نا تو وہ بے چارے ہیں اور نا ہی اتنے بااخلاق اور بامروت۔ ان مردوں کو تمام تر اخلاقیات اور خوش اخلاقی خوب صورت لڑکیوں کو دیکھ کر ہی یاد آتی ہیں۔ میری جگہ کوئی عمر رسیدہ اور عام سی شکل صورت کی خاتون ہوتیں جنہوں نے ان سے گاڑی چلانا سیکھی ہوتی یہ ان کے ساتھ بھی اتنے ہی اخلاقیات دکھاتے تو میں مانتی۔ میرے روکھے اور سرد وسپاٹ انداز پر تو ان کا یہ حال تھا اگر جو میں تھوڑا سا بھی اخلاق بگھار دیتی تو حضرت بالکل ہی ریشہ خطمی ہو جاتے۔"

میں نے ایک نظر حریم پر ڈال کر اپنے خیالات کا تفصیلی اظہار کیا۔

"خیر اس طرح کے تو وہ بالکل بھی نہیں لگ رہے تھے۔ ان کے دیکھنے اور بات کرنے کا انداز بھی بہت مہذب سا تھا۔" اس نے مجھ سے فوراً ہی اختلاف کیا تھا۔

"حریم بی بی! ابھی آپ بچی ہیں۔ کالج کی دنیا سے باہر نکل کر ابھی آپ نے دیکھا ہی کیا ہے۔ یہ مردوں کی قوم کتنی خبیث ہے اس سے ابھی آپ آگاہ ہی نہیں ہیں۔" میں نے جواباً اس کا مذاق اڑایا تو وہ برا ماننے والے انداز میں خاموش ہو کر بیٹھ گئی۔

جس شخص کے بارے میں، میں یہ رائے دے رہی تھی اس سے میرا واسطہ گو بہت ہی مختصر عرصے کے لیے رہا تھا۔ لیکن اس مختصر سے عرصے میں بھی میں نے اسے بہت مہذب اور شائستہ سا انسان ہی پایا تھا۔ کبھی کوئی غیر شائستہ یا غیر مہذب انداز اختیار کرتے، میں نے اسے نہیں دیکھا تھا، لیکن پھر بھی صرف بارہ دن کسی بھی انسان کو اچھا یا برا قرار دینے کے لیے بہت ہی کم ہیں۔

یہ اب سے ڈیڑھ برس پہلے کی بات ہے جب میں پہلی مرتبہ نعمان خاور سے ملی تھی۔ ہمارے ایک کزن نے اپنی آلٹو بیچ کر نئی گاڑی خریدنے کا ارادہ کیا تو ان کی آلٹو میں نے خرید لی۔ گاڑی تو خرید لی تھی مگر چلانی ہم بہنوں میں سے کسی کو بھی نہیں آتی تھی۔ جب میں پہلی مرتبہ نعمان خاور کے ڈرائیونگ اسکول میں گئی تو ریسپشن پر موجود صاحب سے میری اس بات پر کافی بحث وتکرار ہوئی تھی کہ مجھے صبح آٹھ ساڑھے آٹھ بجے کا ٹائم چاہیے۔

اس کا کہنا تھا کہ صبح کے وقت تمام انسٹرکٹر مصروف ہیں مجھے شام چھ بجے کا ٹائم مل سکتا ہے۔ آسانی سے قائل ہو جانا اور دوسروں کی بات سمجھ لینا تو میں نے سیکھا ہی نہیں ہے، اسی لیے میں خوامخواہ اس بندے سے الجھ رہی تھی۔ میرے پیچھے ایک کمرے کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی تھی۔ میں اپنی بحث وتکرار میں مصروف تھی، میں نے اس بات پر اتنی کوئی خاص توجہ دی بھی نہیں تھی۔

"آپ صبح کا ٹائم کیوں رکھنا چاہتی ہیں؟" میرے برابر میں آکر کھڑا ہو جانے والا وہ بندہ سوالیہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔ میں نے چونک کر اپنے برابر میں کھڑے اس شخص کو دیکھا تھا۔ اپنے حلیہ، شکل صورت اور گفتگو کے انداز سے وہ بہت مہذب اور پڑھا لکھا انسان لگ رہا تھا لیکن میں پھر بھی اس "تو کون، میں خوامخواہ" والے انداز پر چڑ گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ میں اپنی عادت کے مطابق کسی بدتمیزی اور منہ پھٹ پنے کا مظاہرہ کرتی اس نے اپنا تعارف کروا دیا۔

"میں نعمان خاور ہوں۔ اس ڈرائیونگ اسکول کا اونر۔ کافی دیر سے میں آپ لوگوں کی Argument سن رہا تھا۔ آئیے آپ میرے ساتھ، میں آپ کا مسئلہ حل کر دیتا ہوں۔"

ریسپشن پر کھڑے اس سڑیل مزاج بندے نے مجھ سے جان چھوٹ جانے پر گہری طمانیت بھری سانس لی تھی۔ میں اسے گھور کر دیکھتی ہوئی نعمان خاور کے ساتھ اس کے آفس میں آکر بیٹھ گئی تھی۔

"ڈرائیونگ اسکول آج کل چپے چپے پر کھلے ہیں۔ میں تو صرف آپ لوگوں کی اچھی شہرت سے متاثر ہو کر یہاں آگئی تھی۔ لیکن افسوس آپ کے ہاں تو ریسپشن پر ہی اتنے غیر پیشہ ور اور بد تمیز افراد موجود ہیں۔ مجھے بہت مایوسی ہوئی یہاں آکر۔"

میں نے اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہی برملا اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ اس نے میری تنقید بہت سنجیدگی اور بردباری سے سنی اور چہرے پر کسی قسم کے ناگوار تاثرات کو بھی نہیں آنے دیا۔

"آپ صبح میں ہی سیکھنا چاہ رہی ہیں تو چلیں ٹھیک ہے۔ میں کسی نہ کسی طرح اس کا بندوبست کردوں گا' اصل میں آج کل جون جولائی کی چھٹیوں کی وجہ سے سیکھنے والوں کا کافی رش ہے۔ اکثر اسٹوڈنٹس چھٹیوں میں ڈرائیونگ سیکھتے ہیں' اسی وجہ سے تقریباً" تمام انسٹرکٹرز مکمل طور پر بک ہیں۔" وہ اس وسیع و عریض میز پر اپنے بالکل سامنے رکھی ڈائری کو کھول کر اس میں سے صفحے پلٹ پلٹ کر کچھ دیکھنے کے بعد مجھ سے مخاطب ہوا۔ اس کی بات پر میں نے نفی میں سر ہلایا۔

"مجھے یہی ٹائم سوٹ کرتا ہے۔ میرا اپنا بیوٹی پارلر ہے۔ میں صبح کا ہی ٹائم رکھنا چاہتی ہوں تاکہ میرے کام میں کوئی پریشانی نہ ہو۔ نو' دس بجے کا ٹائم رکھا تو خوامخواہ ٹینشن میں مبتلا رہوں گی' ڈرائیونگ سیکھنے سے زیادہ میری توجہ پارلر اور اپنے کلائنٹس کی طرف ہو جائے گی۔

قبل اس کے کہ میں اسے خدا حافظ کہہ کر وہاں سے کھڑی ہوتی' اس نے کچھ سوچتے ہوئے مجھے ریسپشن سے فارم لے کر بھرنے اور فیس جمع کروانے کے لیے کہا۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھ سے معذرت کرلے گا' ڈرائیونگ اسکول بہت' میں کہیں اور سے سیکھ لوں گی۔

"آپ فارم بھر کے باہر کاؤنٹر پر فیس جمع کروادیں۔ کل صبح آپ کی پہلی کلاس ہوگی تیار رہیے گا۔" اس نے بات ختم کرنے والے انداز میں گویا مجھے وہاں سے چلے جانے کو کہہ دیا۔ میں نے ایکسری تھینکس کہہ کر وہاں سے اٹھ کر باہر کاؤنٹر پر آکر فیس جمع کروادی۔

اگلے روز صبح ٹھیک آٹھ بجے ہمارے گھر کے سے باہر ایک گاڑی کا ہارن بجا۔ گیٹ سے باہر نکل کر میں نے جیسے ہی گاڑی میں بیٹھے اپنے انسٹرکٹر کی طرف دیکھا تو ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے نعمان خان کو دیکھ کر مجھے سخت حیرت ہوئی تھی۔ آنکھوں پر گلاسز چڑھائے وہ گردن موڑ کر گیٹ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مجھے آتا دیکھ کر اس نے برابر والی سیٹ کا دروازہ کھول دیا تھا۔ مجھے اس کے خود آنے پر حیرت تو ہوئی تھی' لیکن میں نے اسے ظاہر بالکل بھی نہیں ہونے دیا تھا۔ بہت سنجیدگی سے اسے سلام کرتی برابر والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"جب میں نے نیا نیا اپنا ڈرائیونگ اسکول شروع کیا تھا اس وقت میرے پاس انسٹرکٹرز بہت کم تھے' اس لیے میں خود بھی ڈرائیونگ سکھایا کرتا تھا۔ لیکن اب کیونکہ میرے پاس انسٹرکٹرز کافی تعداد میں موجود ہیں' اس لیے میں مینجمنٹ دیکھتا ہوں۔ لیکن آپ کیونکہ میرے اسکول کی اچھی شہرت سے متاثر ہو کر وہاں آئی تھیں تو مجھے آپ کو مایوس کرنا اچھا نہیں لگا۔"

میرے پوچھے بغیر اس نے خود ہی بڑی سنجیدگی سے اپنے آنے کی وجہ بتائی۔

"چلیں' اب ہم اپنی کلاس شروع کرتے ہیں۔" میری طرف دیکھے بغیر وہ اگنیشن میں چابی گھماتا ہوا دوبارہ گویا ہوا۔

میں روزانہ اس سے ڈرائیونگ کی کلاسز لینے لگی تھی وہ میرے اعتماد کی بہت تعریف کرتا' لیکن ایک ایسی بات تھی جس پر ہر روز وہ مجھے ٹوکتا اور ہر روز میں اس نصیحت کو سننے کے بعد فوراً" ہی بھول جایا کرتی تھی۔ اسٹیئرنگ سنبھالتے ہی پتا نہیں کیا ہوتا تھا میرا ایکدم سے دل گاڑی کو بہت تیز دوڑانے کو چاہنے لگتا اور میں بے سوچے سمجھے رفتار بڑھا دیا کرتی۔

"آپ کا کیا مستقبل میں بس ڈرائیور بننے کا ارادہ ہے؟"

چوتھی کلاس کے اختتام پر جب اس روز میں نے گاڑی کو انتہائی تیز رفتاری سے چلاتے ہوئے اپنے گیٹ پر لا کر روکا تو اس نے بڑی سنجیدگی سے مجھ سے پوچھا۔ "یقین کریں۔ آپ کے گاڑی چلانے کا انداز بالکل منی بسوں اور کوچز کے ڈرائیوروں جیسا ہے۔" اس نے بہت مہذب سا انداز اختیار کر کے مجھ پر طنز کرنے کی کوشش کی۔

اپنی کہی ہوئی بات پر وہ خود ہی محظوظ سے انداز میں ہنس پڑا۔ ہلکی سی مسکراہٹ میرے لبوں پر بھی بکھر گئی تھی۔

"اور یہ بات بھی سچ ہے کہ اس طرح کی ڈرائیونگ آپ کو کوئی خاتون انسٹرکٹر کبھی بھی نہیں سکھا سکتی تھیں۔ یہ نیک نامی میرے ہی نامۂ اعمال میں لکھی گئی تھی۔"

اس نے افسوس بھرے انداز میں تبصرہ کرتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ اور میں بھی گیٹ کھول کر اس کے کمنٹس کے بارے میں ہی سوچتے ہوئے گھر کے اندر آ گئی۔

پھر اس روز شاید میری نویں یا دسویں کلاس تھی جب ایک روڈ پر سڑک کے بیچوں بیچ ایک بس کے ایکسیڈنٹ کی وجہ سے ٹریفک جام ہو گیا تھا اور اس ٹریفک جام میں ہم لوگ بھی پھنس گئے تھے۔ ہارن کا شور برپا تھا، سب لوگ بلاوجہ آپس میں الجھ رہے تھے۔ حالانکہ اس ایکسیڈنٹ میں وہاں پھنسے ہوئے لوگوں میں سے کسی کا بھی قصور نہیں تھا لیکن لوگ بے صبری اور جلدی سے جلدی اپنی منزل پر پہنچنے کی دھن میں خوامخواہ ایک دوسرے سے جھگڑ رہے تھے۔ اتنے دنوں میں میں پہلی مرتبہ نروس ہوئی تھی۔ حالانکہ برابر میں بیٹھے اپنے انسٹرکٹر کی وجہ سے مجھے کسی قدر اطمینان تو تھا، لیکن آگے پیچھے سے بجتے ہارن اور لوگوں کی چیخ و پکار نے پھر بھی مجھے کچھ نروس کر دیا تھا۔ ہماری گاڑی اتنی بری طرح پھنسی ہوئی تھی کہ وہ میرے بجائے خود ڈرائیونگ سیٹ پر نہیں آ سکتا تھا۔ گو کہ گاڑی کا کنٹرول تو اس کے پاس بھی تھا لیکن اسٹیئرنگ تو میرے ہی ہاتھ میں تھا۔ وہ بہت پرسکون اور نارمل سا تھا۔ مجھے مسلسل گائیڈ کرتا اور سمجھاتا۔ اس نے اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھ کر گاڑی کو تھوڑا سا خود بھی کنٹرول کرنے کی کوشش کی تو میں نے فوراً ہی اسٹیئرنگ پر سے اپنا بایاں ہاتھ ہٹا لیا۔ حالانکہ اس کا ہاتھ میرے ہاتھ سے بہت دور تھا۔ لیکن پھر بھی میں نے اپنا ہاتھ جلدی سے اپنی گود میں رکھ لیا تھا۔

وہ میری طرف بالکل متوجہ نہیں تھا اس کی توجہ گاڑی اور اسٹیئرنگ کی طرف تھی لیکن میرے اس طرح ایک دم سے ہاتھ ہٹانے پر اس نے بہت چونک کر مجھے دیکھا۔ صرف ایک پل کے لیے مجھے بغور دیکھنے کے بعد اس نے اپنی نگاہیں واپس ہٹا لی تھیں۔ میں نے اس کی نگاہوں پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ اس رش میں سے گاڑی نکلی تو اس نے اپنا ہاتھ اسٹیئرنگ پر سے ہٹا لیا اور پرسکون سے انداز میں سیٹ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اس کے ہاتھ ہٹانے پر میں نے دوبارہ اپنا ہٹایا ہوا ہاتھ اسٹیئرنگ پر رکھ لیا تھا۔

"بہت اچھا چانس مل گیا آج آپ کو رش میں سے گاڑی نکالنے کا طریقہ سمجھنے کا۔ جو کراچی میں ڈرائیو کر سکتا ہے وہ دنیا کے کسی بھی ملک اور کسی بھی شہر میں ڈرائیو کر سکتا ہے یہ بات یونہی نہیں کہی جاتی آپ کو کراچی میں ڈرائیو کرنا ہے تو اس طرح کے حالات اور واقعات سے آپ کو اکثر گزرنا پڑے۔"

اس نے کچھ دیر پہلے کی صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

اس آخری کلاس کے بعد میری دوبارہ کبھی اس سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اور آج جب ڈیڑھ سال بعد وہ مجھے دوبارہ ملا تو میں اس کے خود کو پہچان لینے اور نام کے ساتھ یاد رکھنے پر بہت حیران ہوئی۔ کتنے لوگ آتے اور جاتے ہوں گے اس کے ڈرائیونگ اسکول میں ڈرائیونگ سیکھنے کے لیے۔ ان میں سے کسی کو نام کے ساتھ یاد رکھنا اور وہ بھی اتنے دنوں بعد۔ میں اس بندے کی اچھی یادداشت پر حیران تو ضرور ہوئی تھی

لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ مجھے اس کا بلاوجہ گفتگو کرنا اور فری ہونا بھی پسند نہیں آیا تھا۔ آئندہ بھی ان صاحب سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے میرے ساتھ خوش اخلاقی دکھانے کی کوشش کی تو میں ان کا مزاج درست کردوں گی۔ آج کے واقعہ پر میں نے دل ہی دل میں خود سے کہا تھا۔

☼ ☼ ☼

امی کو دو تین دنوں سے کافی شدید کھانسی ہو رہی تھی۔ ڈاکٹروں کے پاس جانے کی تو وہ ہمیشہ سے چور تھیں اسی لیے کھانسی کی دوا میڈیکل اسٹور سے منگوا کر اپنا علاج خود ہی کر رہی تھیں۔ میرے بہت کہنے سننے اور ناراض ہونے پر وہ آج میرے ساتھ ڈاکٹر کے پاس چلنے کے لیے تیار ہوئی تھیں۔

"ذرا سی کھانسی ہی تو ہے۔ خود ہی ٹھیک ہو جائے گی پھر دوا تو میں باقاعدگی سے لے ہی رہی ہوں۔"

وہ جانے کے لیے دل سے ابھی بھی آمادہ نہیں تھیں بس صرف میری وجہ سے مجبوراً "مان گئی تھیں۔ میں نے اپنے مخصوص انداز میں گاڑی دوڑانی شروع کی تو امی دل پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔

"کتنی بار تمہیں سمجھایا ہے نیو! گاڑی آہستہ چلایا کرو۔ کبھی کسی لڑکی کو بس ڈرائیوروں کے سے انداز میں گاڑی چلاتے دیکھا ہے۔"

میں نے ان کی ڈانٹ پر فوراً" ہی گاڑی کی رفتار کم کر دی۔ لیکن یہ امی کی وہ واحد نصیحت تھی جو میں روز سنتی اور روز بھول جایا کرتی۔ امی کے بس ڈرائیوروں کہنے پر مجھے بے ساختہ نعمان کے دیے جانے والے کمنٹس یاد آگئے تھے۔

"شام میں پارلر تھوڑی دیر کے لیے تابندہ کے سپرد کر دینا۔ کچھ مہمان آنے والے ہیں۔"

کچھ دیر کے بعد امی نے بہت سنجیدگی سے حکم دینے والے انداز میں مجھ سے کہا تو میں نے کسی قسم کے سوال جواب کے بغیر خاموشی سے سر ہلا دیا، جب سے ثانیہ کی ہمارے خالہ زاد بھائی جہانگیر سے منگنی ہوئی تھی۔ تب سے امی کو میری فکر پہلے سے بھی زیادہ رہنے لگی تھی۔ سال بھر پہلے ثانیہ کی جہانگیر کے ساتھ منگنی ہوئی تھی خالہ کا گھرانہ بہت اچھا تھا اور پھر جہانگیر بھی بہت اچھا اور پڑھا لکھا لڑکا تھا اس لیے وہ رشتہ امی کو پسند تو بہت تھا، لیکن ثانیہ کے لیے نہیں بلکہ میرے لیے۔ اپنی سگی بہن سے ان کا ایسا کوئی تکلف بھی نہیں تھا، اسی لیے انہوں نے خالہ سے یہ بات کہی کہ انہوں نے میرے بجائے ثانیہ کا رشتہ کیوں مانگا ہے۔

"میرے لیے تو نیو اور ثانیہ میں کوئی فرق نہیں دونوں ہی مجھے ایک جیسی عزیز ہیں۔ لیکن بات جہانگیر کی خواہش کی ہے۔ وہ ثانیہ ہی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

خالہ نے امی کی بات کے جواب میں اپنی طرف سے صفائی پیش کی اور جہانگیر کی پسند کا حوالہ دیا تو وہ خاموش ہو گئیں۔ یوں ثانیہ کی جہانگیر کے ساتھ منگنی ہو گئی اور امی میری شادی کے لیے پہلے سے بھی زیادہ سرگرم۔

ابتدا میں، میں نے امی سے کافی بحث و تکرار کی۔

"جب تمہارا پارلر نہیں تھا تو کیا تب ہم بھوکے مر رہے تھے۔ جب پہلے اللہ نے عزت سے گزارا کروا دیا تو اب بھی وہ کوئی نہ کوئی سبیل پیدا کر دے گا۔ ثانیہ کی پڑھائی مکمل ہونے والی ہے۔ حریم اور افشین گریجویشن کے بعد ماسٹرز کرنا چاہیں گی تو کچھ ٹیوشنز وغیرہ کر لیں گی۔ میں بھی کوئی معذور یا اپاہج نہیں ہو گئی۔ کچھ نہ کچھ ہو ہی جائے گا۔ مجھے تمہاری شادی کی فکر ہے۔ ثانیہ سے پہلے میں تمہاری شادی کرنا چاہتی ہوں۔"

اس ایک سال کے عرصے میں بہت سے رشتے آئے تھے، کچھ کو امی نے ریجیکٹ کر دیا تھا اور کچھ نے ہمیں۔

☼ ☼ ☼

"تم ہمیشہ اس وقت نازل ہوا کرو۔" میں نے پارلر میں آتے کے ساتھ ہی صائمہ کو گھور کر دیکھا تھا۔

"کل رات کتنی دیر سے فارغ ہوئی تھی میں۔ میرا

گئے تھے۔ ذرا سی دیر ہی سوئی ہوں
خیال ہے وہ تو بج ہی کا ٹائم ہو گیا۔ اب تھوڑے سکون سے سو
کی تھی تو تم ٹھیک رہیں۔"

میں اسے صبح صبح پارلر میں دیکھ کر ناراض ہو رہی
تھی۔ وہ میری ناراضی کے جواب میں کچھ بھی نہیں
بولی۔ بس پھیکے سے انداز میں ذرا سا مسکرا دی تھی۔

"اب جلدی پھوٹو۔ کام کیا کروانا ہے۔"

میں اس کی خاموشی پر دھیان دیے بغیر بڑے
پروفیشنل انداز میں بولی۔ خالص قسم کا کاروباری اور
پروفیشنل لہجہ۔ میرا خیال تھا۔ وہ جواباً" دھونس جما
کر کچھ کہے گی۔ لیکن جب وہ جواب میں کچھ بھی نہیں
بولی تو میں نے اتنی دیر میں پہلی مرتبہ بہت چونک کر اس
کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری
ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھیں اور چہرہ دیکھ کر ایسا لگ رہا
تھا جیسے یہاں آنے سے پہلے بھی وہ بہت سا رو چکی ہو۔

"کیا ہوا صائمہ؟" میں اس کے پاس ہی صوفے پر
بیٹھ گئی۔

"آج میں تمہارے پاس بیٹھ کر رونے آئی ہوں نیرو!
مجھے اس وقت رونے کے لیے ایک کندھے کی تلاش
ہے اور تم سے بہتر اور تم سے زیادہ معتبر مجھے کوئی نہ
لگا۔"

میری بات کا جواب دیتے دیتے اس کی آنکھوں
سے آنسو نکل آئے۔

"مجھے پتا ہے کہ تم سے اگر میں اپنا دکھ کہوں تو تم
اسے سمجھ لوگی۔ آج صائمہ بہت تنہا ہے نیرو! اسے
اپنے پاس بیٹھ کر رونے دو۔ اگر میں نہیں روئی تو میرا
دل پھٹ جائے گا۔"

وہ پتا نہیں کس طرح کی باتیں کر رہی تھی۔ وہ زندہ
دل اور خوش مزاج لڑکی اتنی کم ہمت نہیں تھی کہ کسی
چھوٹی سی بات پر یوں دل ہار بیٹھتی۔ کوئی بڑی بات ہوئی
تھی جو اس کی برداشت اور ہمت سے بڑی جو وہ یوں بکھر
گئی تھی۔

میں چپ چاپ الجھے ہوئے انداز میں اسے روتے
ہوئے دیکھ رہی تھی۔ "میں زندگی سے لڑ رہی ہوں،
کتنے برسوں سے لڑ رہی ہوں۔ لوگوں کے طنز، زندگی کی
سختیاں ہر ناگوار بات خوشی خوشی سہتی رہی۔ کس کے
لیے؟ اپنی ماں اور بہن بھائیوں کے لیے۔ بڑا آسان تھا
میرے لیے کہ میں انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر خود
اپنے لیے کوئی بہتر فیصلہ کر لیتی۔ اس ریسٹورنٹ میں
جاب سے بہت پہلے اس وقت جب میرا کردار لوگوں کی
نظروں میں مشکوک نہیں ٹھہرا تھا میں اس وقت اپنے
لیے کوئی فیصلہ کر چکی ہوتی۔ بہت لوگ تھے جنہیں
میری خوبصورتی اور کردار کی مضبوطی اچھی لگتی تھی،
میں خود غرض ہوتی تو ایسا ہی کرتی۔ میرے پاس اعلا
تعلیم نہیں تھی، اس کے حاصل کرنے کے مواقع بھی
نہیں تھے ایسے میں یہ جاب میرے لیے بہترین جاب
تھی اور اس ریسٹورنٹ میں جاب کس کے لیے کی تھی
میں نے؟ اپنے ان ہی بہن بھائیوں کے لیے ناں۔
سب کچھ میں ان ہی لوگوں کے لیے کرتی رہی، ان ہی
کے لیے جنہیں آج میرے اس کام سے نفرت ہو رہی
ہے۔ میری جاب ان کے لیے شرمندگی کا باعث بن
رہی ہے۔ میری بہن کہتی ہے کہ اس کے لیے ایک
بہترین رشتہ صرف میری وجہ سے طے نہیں ہو سکا۔
لڑکے والوں کو یہ بات پتا چل گئی تھی کہ لڑکی کی بہن
ایک فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ میں جاب کر رہی ہے۔
میری وہ بہن جسے میں نے پڑھایا لکھایا، اس قابل بنایا
کہ آج وہ خود اپنے لیے کمانے کے قابل ہو گئی ہے۔
اسے میرے اور اپنے رشتے پر شرمندگی ہوتی ہے۔ میں
اس کی خوشیوں کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ
ہوں اور میرا وہ بھائی جس کے کالج کی فیس اور پڑھائی
لکھائی کے تمام اخراجات میری اسی جاب سے پورے
ہوتے ہیں۔ اسے میری اس جاب سے شدید نفرت
ہے۔ میں اپنے بہن بھائیوں کے لیے باعث ندامت
ہوں۔ انہیں اس بات سے ڈر لگتا ہے کہ ان کے کسی
جاننے والے کو یہ بات نہ پتا چل جائے کہ ان کی بہن
ایک فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ میں جاب کرتی ہے۔"

وہ میرے گلے لگی دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی۔
میں بے بسی سے اسے روتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

میں پروا نہیں کرتی تھی لیکن "دیکھے لوگ کچھ بھی کہتے تھے۔ جن کے لیے میں یہ سب کچھ کر رہی ہوں ان کی تحقیر بھری نگاہیں اور ہتک آمیز باتیں میں سہہ نہیں پا رہی۔ میں نے کیا غلط کیا ہے نیو! شرافت کی زندگی گزاری، کبھی کسی مرد کو اپنے قریب بھی نہیں آنے دیا۔ میرے پاس اتنی تعلیم ہوتی تو کسی ایسی ہی جگہ ملازمت کرتی لیکن اگر ایسا نہیں ہو سکا تو اس میں میرا قصور کیا ہے؟ یہ لوگ مجھے یوں ذلیل کیوں کر رہے ہیں؟" وہ میرے کندھے سے لگی روتی رہی اور میں اس کا دکھ دل کی گہرائیوں سے محسوس کرتی ہولے ہولے اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتی رہی۔

"تمہیں میں نے اس امیرزادے کے بارے میں بتایا تھا نا نیو! وہ جو کہتا تھا کہ اسے مجھ سے محبت ہے۔ پتا ہے ایک روز میں نے اس سے کیا کہا تھا؟" وہ میرے کندھے پر سے سر ہٹا کر سیدھے ہوتے ہوئے بولی۔

میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔

"میں نے اس سے کہا کہ اگر تمہیں مجھ سے ایسی ہی شدید محبت ہو گئی ہے تو پھر شریف لوگوں کی طرح میرے گھر رشتہ بھجواؤ۔ وہ میری اس بات پر خوب ہنسا تھا۔ اس نے جواب میں کچھ بھی نہیں کہا لیکن اس کے چہرے پر صاف لکھا ہوا تھا 'شادی اور تم سے؟ شادی تو میں کسی معزز خاندان کی پڑھی لکھی لڑکی سے کروں گا۔ تم جیسی ریسٹورنٹ میں کام کرنے والی لڑکی کے ساتھ تو میں صرف دل لگی کرنے آتا ہوں۔ تب میں نے اس کی حقارت سے بھری ہوئی ہنسی کو نظرانداز کر دیا، لیکن آج مجھے اس کی وہ ہنسی اپنے چاروں جانب گونجتی ہوئی سنائی دے رہی ہے۔ ریسٹورنٹ میں کام کرنے والی لڑکی، لوگوں کو مسکرا کر ویلکم کہنے والی لڑکی۔ ٹرے میں پیزا، برگر، چکن، فرائز اور کولڈ ڈرنکس رکھ رکھ کر دینے والی لڑکی۔"

وہ ایک مرتبہ پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میں اسے تاسف سے دیکھے جا رہی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کس طرح تسلی دوں، اس کے دکھوں کا مداوا کس طرح کروں۔

"سب لوگ اس طرح کے نہیں ہوتے صائمہ! صرف چند لوگوں کے منفی رویوں سے بددل ہو کر تم اس طرح کی باتیں مت سوچو۔ تم بھی اتنی اچھی ہو جتنی میں ہوں یا جتنی دوسری کوئی بھی لڑکی ہو سکتی ہے۔"

وہ مایوسی کی جن انتہاؤں پر پہنچی ہوئی تھی میں اسے ان سے نکالنا چاہتی تھی۔ وہ میری بات سن کر طنزیہ انداز میں ہنس دی۔

"تم مجھے یہ طفل تسلیاں مت دو نیو! مجھے سچائیوں کا سامنا کرنے دو۔ یہ بے کار کے دلاسے اور کتابی باتیں مجھے ذرا بھی متاثر نہیں کر سکتیں۔"

میں بے بسی سے اس کی طنزیہ ہنسی کو دیکھ رہی تھی۔ مجھے احساس ہوا کہ میری کوئی تسلی اور کوئی ہمدردانہ بات اس کے کچھ کام نہیں آ سکتی۔

وہ میرے پاس بیٹھ کر رونے اور اپنے دکھ کہنے آئی تھی۔ میں اسے روتا ہوا دیکھتی رہی۔ پھر وہ اپنے آنسو صاف کرتی ہوئی جانے کے لیے کھڑی ہو گئی تھی۔

"تھوڑی دیر رک جاؤ صائمہ۔" میں اسے اس حالت میں جانے نہیں دینا چاہتی تھی۔ وہ انکار میں سر ہلاتی پارلر کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی تو میں بھی اس کے پیچھے پیچھے باہر آ گئی۔

"تم پریشان مت ہو، میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ میرے چہرے پر پھیلی تشویش اور فکرمندی کو دیکھ کر دھیمے سے ہنسی۔ ایسی ہنسی جس میں آنسو ہی آنسو بھرے ہوئے تھے۔

☼ ☼ ☼

آج چاند رات تھی، اس لیے پارلر میں رش بھی غیر معمولی تھا۔ میں، اور میری ہیلپرز بری طرح مصروف تھے۔

شام میں صفیہ باجی اپنی بیٹی کے ساتھ آ گئیں۔ صفیہ باجی جب سے میں نے پارلر شروع کیا، اسی وقت سے ہی آ رہی تھیں۔ ان کا گھر ہمارے ہی بلاک میں تھا۔ خود بہت سادگی سے رہتی تھیں۔ صرف اپنی

بٹی کے بالوں کی کٹنگ کے لیے وہ میرے پاس آتی تھیں۔ بہت اچھی اور مخلص خاتون تھیں وہ۔ سیدھی سادی اور منافقت سے پاک۔ وہ میری بہت بڑی مداح ہیں۔

اس وقت جب وہ آئیں تو میں نے مسکراتے ہوئے ان کا استقبال کیا۔ اس وقت پارلر میں صرف ایک ہی لڑکی بیٹھی ہوئی تھی جو شگفتہ سے بالوں کی کٹنگ کروا رہی تھی۔ اس لڑکی کو فارغ کر کے میرا ایک گھنٹہ پارلر بند کرنے کا ارادہ تھا۔ اندر گھر میں خالہ کی فیملی ’ثانیہ کی عیدی لے کر آئی ہوئی تھی۔ مجھے تھوڑی دیر ان لوگوں کو بھی کمپنی دینا تھی۔ صفیہ باجی سے یہ کہنا کہ آپ مغرب کی نماز کے بعد آئیے گا مجھے مناسب نہیں لگا‘ اس لیے ان کی بیٹی کو کرسی پر بیٹھنے کا کہہ کر خود ہی اس کی کٹنگ کے لیے کرسی کے پاس جانے لگی۔

”مجھے تم سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے نیرو! شگفتہ فارغ ہونے ہی والی ہے۔ شہوار کی کٹنگ وہ کر دے گی۔“ انہوں نے شگفتہ کے ہاتھ میں ہیئر ڈرائیر دیکھ کر کہا میں سر ہلاتی ہوئی ان کے پاس آ کر صوفے پر بیٹھی تو وہ بہت آہستہ آواز میں تمہید باندھنے لگیں۔

”ویسے تو یہ بات مجھے تمہاری امی سے کرنی چاہیے تھی‘ لیکن پھر میں نے سوچا کہ پتا نہیں تم اس بات کو پسند کرو گی یا نہیں‘ اس لیے تم سے ہی بات کر لیتی ہوں۔“

وہ میرے بالکل قریب بیٹھ کر اتنی آہستہ آواز میں بات کر رہی تھیں کہ پارلر کے دوسرے سرے پر موجود شگفتہ کو اس لڑکی کو اور ان کی بیٹی کو ان کی آواز سنائی نہیں دے سکتی تھی۔

”آج میں تمہارے پاس آئی ہی اس لیے ہوں۔ یہ شہوار تو زبردستی لٹک کر ساتھ آ گئی ہے کہ مجھے کٹنگ کروانی ہے۔“

”یہ آفاق ہے۔ میرا سگا بھائی نہیں ہے لیکن مجھے سگوں سے بڑھ کر عزیز ہے۔ بہت اچھا اور بہت شریف لڑکا ہے۔“ انہوں نے اپنے پرس میں سے ایک تصویر نکال کر میرے ہاتھ میں پکڑائی۔ میں نے ایک نگاہ تصویر پر ڈالی‘ وہ جو کوئی بھی تھا بہت ہینڈسم تھا۔

”مجھے بہن بنایا ہوا ہے اس نے اور صرف بہن کہتا ہی نہیں بلکہ سمجھتا بھی ہے۔ کافی سال پہلے اس کی والدہ بھی حیات تھیں۔ میرے بڑے بیٹے کو ٹیوشن پڑھانے آتا تھا یہ ان دنوں۔ والد اس کے بچپن میں ہی انتقال کر گئے تھے‘ بہن بھائی بھی کوئی نہیں ہیں۔ تب یہ خود بھی شاید انٹر کر رہا تھا۔ ٹیوشنز پڑھا کر یہاں وہاں چھوٹی موٹی نوکریاں کر کے اپنی معذور اور بیمار ماں کا علاج کرنے کے لیے پیسہ جمع کرتا تھا‘ بہت نیک اور خدمت گزار۔ نہایت توجہ سے وہ اپنی معذور ماں کو اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلایا کرتا تھا۔ اس کی سب ضرورتوں کا خیال رکھتا تھا۔ اس طرح میں نے کسی لڑکے کو ماں کی خدمت کرتے نہیں دیکھا جس طرح یہ کرتا تھا‘ تب ہی سے اس کا ہمارے گھر آنا جانا ہے۔ مجھے آپا کہتے کہتے اس نے سچ مچ مجھے اپنی بہن ہی مان لیا۔ پھر والدہ کا انتقال ہو گیا تو یہ بالکل ہی تنہا ہو گیا۔ بی کام کے بعد ہی اسے ایک فرم میں جاب مل گئی تھی۔ اپنی محنت اور ذہانت سے اس نے اپنی جاب میں بہت ترقی کر لی ہے۔ آج کل ایک پرائیوٹ یونیورسٹی سے ایوننگ میں ایم بی اے بھی کر رہا ہے۔ صرف ایک سمسٹر باقی ہے اس کا۔ اس نے اتنی سخت اور اتنی مشکل زندگی گزاری ہے کہ میرا دل چاہتا ہے اس کے لیے کوئی بہت مخلص سی لڑکی ڈھونڈ کر لاؤں‘ جو اس کی زندگی میں خوشیاں ہی خوشیاں بھر دے۔ اس کے لیے لڑکی ڈھونڈتے ہوئے میرے ذہن میں سب سے پہلے تم آئیں۔ تم جو خود بھی اتنی جدوجہد سے بھرپور زندگی گزار رہی ہو۔ تم اسے ویسی ہی محبت اور ویسا سکون دے سکتی ہو جس کا وہ مستحق ہے اور جو دوسری کوئی اور لڑکی شاید اسے نہیں دے سکتی۔“

صفیہ باجی کی نگاہوں میں میرے لیے خلوص ہی خلوص تھا۔ اپنے بارے میں مجھے کوئی خوش فہمیاں لاحق نہیں تھیں۔ میں کسی شہزادہ گلفام کا انتظار نہیں کر رہی تھی۔ امی ثانیہ کی شادی سے پہلے میری شادی کرنا چاہتی تھیں۔ انہیں دن رات میری شادی

کی فکر ستاتی رہتی تھی، ایسے میں یہ ایک آئیڈیل رشتہ تھا میرے لیے۔ امی نے مجھے یہ بات نہیں بتائی لیکن میں جانتی ہوں کہ اس سے پہلے میرے لیے جو جو بھی رشتے آئے یا تو وہ اس لالچ میں آتے تھے کہ لڑکی خوب کما رہی ہے۔ ان کے بیٹے کو بیوی کے ذریعے معاشی استحکام ملے گا امی ان لوگوں کا لالچی انداز دیکھ کر انکار کر دیا کرتی تھیں۔

دوسری قسم ان لوگوں کی ہوتی جو یہ دیکھ کر کہ لڑکی مالی طور پر اتنی مستحکم ہے۔ یہ انہیں یا ان کے بیٹے کو کیا خاطر میں لائے گی۔ مجھے ریجیکٹ کر دیا کرتے۔

ان کے خیال میں مالی طور پر مستحکم لڑکیاں شوہروں اور سسرالیوں کو جوتی کی نوک پر رکھتی ہیں۔ انہیں دبا کر نہیں رکھا جا سکتا۔ انہیں کوئی دبی دبائی اور خاموشی سے ظلم سہنے والی لڑکی چاہیے تھی۔ جسے پیسہ کمانا نہ آتا ہو۔ جو شوہر کے پیسے کی محتاج ہو۔ اس لیے میری شادی میں مشکل پیش آ رہی تھی۔

قریب تھا کہ میں صفیہ باجی سے یہ کہہ کر وہ اس بارے میں امی سے بات کر لیں ایک طرح سے انہیں اپنی طرف سے رضامندی دے دیتی کہ اچانک میرے کانوں میں ایک روتی ہوئی آواز گونجی۔

"ہر عید پر میں سوچتی ہوں کہ اگلی عید اس عید سے مختلف اور خوشیوں کی پیامبر بن کر آئے گی لیکن وہ عید کبھی نہیں آئی نیو! اور مجھ جیسی لڑکیوں کی زندگی میں وہ عید کبھی آئی بھی نہیں ہے۔"

"آپ کو شاید یہ بات معلوم نہیں صفیہ باجی، میری تو منگنی ہو چکی ہے۔"

بالکل بے ساختگی میں یہ جملہ میرے منہ سے نکلا تھا۔ اپنے منہ سے نکلے ان لفظوں پر میں خود حیران ہو رہی تھی۔ میں کوئی بہت دیالو اور سخی نہیں کہ ایک ایسی چیز جو میرے لیے بھی اتنی ہی اہم اور ضروری ہے جتنی صائمہ کے لیے اسے خوشی خوشی اس کے حوالے کرنے کا سوچوں۔

صفیہ باجی کے چہرے پر میرا جواب سن کر قدرے افسردگی چھائی تھی۔

"تم نے کبھی بتایا ہی نہیں۔"

"بس کبھی ایسا کوئی ذکر ہی نہیں نکلا۔" میں نے ان کے سوال کا سنجیدگی سے جواب دیا۔ "آپ کے بھائی نے بہت مشکل اور سخت زندگی گزاری ہے صفیہ باجی تو یقیناً" انہیں وہ لوگ ضرور اچھے لگتے ہوں گے جو مشکلات کا ہمت اور بہادری سے مقابلہ کرتے ہیں۔ میں آپ کو اچھی لگتی ہوں، لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ میں نے ایسی کوئی خاص مشکلات کا سامنا کبھی نہیں کیا۔ جو کچھ میں کر رہی ہوں، وہ تو ہمارے اردگرد بے شمار لڑکیاں کر رہی ہیں۔ لیکن ایک ایسی لڑکی کو میں جانتی ہوں جو عام لڑکیوں سے بہت مختلف ہے۔ صائمہ علی نام ہے اس کا۔ میری بہت اچھی دوست ہے وہ۔ جن حالات سے وہ گزری اور جس طرح اس نے اپنی عزت اور آبرو کی حفاظت کی ایسا ہر لڑکی نہیں کر سکتی۔ ابھی آپ نے بتایا ہے کہ آپ کے بھائی نے بہت سی سختیاں جھیلیں، چھوٹی بڑی ہر طرح کی نوکریاں کیں تو پھر یقیناً" وہ محنت کی عظمت کے حقیقی معنوں سے واقف بھی ہوں گے۔ کسی بھی ایسے کام کو وہ حقیر نہیں سمجھتے ہوں گے جس میں انسان شرافت اور عزت کے ساتھ اپنی روزی کماتا ہو۔"

وہ بہت غور سے میری باتیں سن رہی تھیں۔ میں انہیں صائمہ کی جدوجہد کی کہانی اور اس کی موجودہ جاب کے بارے میں مختصر لفظوں میں سب کچھ بتاتی چلی گئی تھی۔

"آپ ایک بار اس سے مل ضرور لیں۔ آپ کو میری سب باتوں پر یقین آ جائے گا۔" میں نے اپنی گفتگو کے اختتام پر ان سے کہا تھا۔

"میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتی نیو! آفاق سے بات کر کے ہی میں کوئی فیصلہ کر سکتی ہوں۔ یوں تو اس نے خود بھی جب وہ بی کام کر رہا تھا تب ایک فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ میں جاب کی تھی لیکن اپنی ہونے والی بیوی کے لیے اس حوالے سے اس کے کیا خیالات ہیں۔ یہ مجھے اس سے بات کر کے ہی پتا چلے گا۔" انہوں نے بہت سنجیدگی اور صاف گوئی سے میری بات کا جواب دیا

گھڑی میں ٹائم دیکھ کر کھڑی ہو گئیں۔

اور پھر میں نے ان کی بات سنتے ہوئے کچھ سوچ کر جلدی جلدی ایک کاغذ پر صائمہ کے گھر کا پتا اور فون نمبر لکھ کر ان کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ انہوں نے خاموشی سے وہ کاغذ میرے ہاتھ سے لے لیا تھا۔

ساری رات پارلر کھلا رہا تھا۔ فجر سے کچھ پہلے ہی ہم لوگ فارغ ہوئے تھے۔ پارلر سے فارغ ہو کر میں کمرے میں آکر لیٹ تو گئی تھی' لیکن ہمیشہ کی طرح بے خبر ہو کر سوئی نہیں تھی۔ اتنا تھکنے کے باوجود بھی مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں گھر میں چہل پہل شروع ہو گئی تھی۔ امی کی اور تینوں بہنوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ جب نیند نہیں آرہی تھی تو بے کار لیٹ کر میں کیا کرتی۔ مجھے کمرے سے نکلتا دیکھ کر امی تعجب سے بولیں۔

"تم ابھی تک سوئیں نہیں؟"

"نیند نہیں آرہی اس لیے میں اٹھ گئی۔"

ہمیشہ میرا عید کا دن سوتے ہوئے گزرتا تھا اور آج میرا سونے کا دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔

گھر میں قربانی ہوئی تھی' ثانیہ اور حریم کچن میں گھسی ہوئی تھیں۔ امی اور افشین بھی پتا نہیں کہاں مصروف تھیں۔ میں صوفے پر نیم دراز گزری رات کی مصروفیت کے بارے میں سوچ رہی تھی جب فون کی بیل بجی۔ میں نے لیٹے لیٹے ہی ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے آتی صائمہ کی آواز کو سن کر میں ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ مجھے ایسا لگا جیسے میں لاشعوری طور پر اس فون کی منتظر تھی اور شاید اس لیے ٹیلی فون کے بالکل قریب بیٹھی ہوئی تھی۔

"کل رات ہمارے گھر ایک خاتون آئی تھیں' صفیہ نام تھا ان کا۔ تم نے بھیجا تھا نا انہیں۔ وہ تمہارا نام لے رہی تھیں۔ کہہ رہی تھیں کہ نیو نے انہیں یہاں رشتہ لے جانے کے لیے کہا ہے۔" اس کی بات سن کر میرا دل خوشی کے احساس سے بھر گیا تھا۔

"ہاں۔ میں نے انہیں تمہارا بتایا تھا۔ میری کافی پرانی جاننے والی ہیں صفیہ باجی۔" میں جواباً گویا ہوئی

اور پھر فوراً ہی پر تجسس انداز میں اس سے پوچھنے لگی۔

"پھر آگے کیا بات ہوئی؟"

"ابھی تو کچھ خاص بات نہیں ہوئی۔ بس وہ امی سے اور مجھ سے ملیں۔ میں تو سارا وقت حیران ہی ہوتی رہی۔ وہ یہ بات جاننے کے باوجود بھی کہ میں کیا جاب کرتی ہوں' میرے لیے رشتہ لے آئیں۔ ان کے انداز سے ایسا لگ رہا تھا کہ انہوں نے مجھے پسند کر لیا ہے۔ آج وہ اپنے بھائی کو لے کر آئیں گی ہمارے گھر۔ میں ابھی تک حیرت میں مبتلا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہ سب ہو کیا رہا ہے۔"

وہ بہت ڈرے ڈرے انداز میں بول رہی تھی۔ میں اس کی بے یقینی اور خوف کو پوری طرح محسوس کر رہی تھی۔

"یہ سب بھی بالکل اسی طرح کی سچائی ہے' جیسے اس سے پہلے کے تمام دکھ اور تمام تکلیفیں سچائیاں تھیں۔ کل تمہیں میری باتیں طفل تسلیاں اور کتابی باتیں لگ رہی تھیں۔ لیکن صائمہ سچائی یہی ہے کہ زندگی میں ہمیشہ اگر سب کچھ اچھا نہیں ہوتا تو ہمیشہ سب کچھ برا بھی نہیں ہوتا۔ اگر ہمیں ملنے والے سب لوگ اچھے نہیں ہوتے تو سب لوگ برے بھی نہیں ہوتے۔"

وہ سب باتیں جو اگر کل میں اس سے کہتی تو وہ انہیں رتی برابر بھی اہمیت نہ دیتی' اس وقت وہ انہیں بڑی توجہ سے سن رہی تھی۔

"خدا کبھی اپنے بندوں پر ان کی برداشت سے بڑھ کر آزمائش نہیں ڈالتا۔ تم بالکل بے خوف ہو کر اپنے اللہ پر یقین رکھتے ہوئے ان خوشیوں کا استقبال کرو۔"

"لیکن نیو......!" اس نے کچھ مضطرب سے انداز میں مجھے مخاطب کیا تھا لیکن میں نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"کوئی لیکن نہیں صائمہ! تم آج آفاق سے ملو۔ تم دونوں ساتھ بیٹھ کر بات کرو' اس نے بھی تمہاری ہی طرح کی سخت زندگی گزاری ہے' وہ تمہاری سب

مشکلات کو سمجھ لے گا۔ تم دیکھنا وہ تم سے کتنی محبت کرے گا، تمہاری کتنی قدر کرے گا۔ شادی ہو جانے کے بعد کوئی تمہارا رشتہ ختم تو نہیں ہو جائے گا اپنے گھر والوں کے ساتھ۔ اس بار تم صرف اپنے بارے میں سوچو۔ صرف اپنے بارے میں۔ اور اپنی بہن سے میری طرف سے یہ ضرور کہہ دینا کہ تمہاری جس جاب کی وجہ سے اس کی شادی نہیں ہو پا رہی تھی اسی جاب کے ہوتے ہوئے خود تمہاری اپنی شادی ہو رہی ہے۔"

وہ ایک مرتبہ پھر بہت خاموشی سے میری باتیں سن رہی تھی۔

"اچھا اب میں فون بند کر رہی ہوں۔ اب رات میں تمہیں فون کروں گی، تم میرے لیے وہ خوش خبری تیار رکھنا جو میں سننا چاہتی ہوں اور ایک بات میں تمہیں پہلے ہی کلیئر کروں کہ اس عید پر میں نے برائیڈل میک اپ کے پیسے بڑھا دیے ہیں۔ تم یہ امید مت رکھنا کہ میں دوستی کا لحاظ کرتے ہوئے تم سے پرانے والے پیسے وصول کروں گی۔"

میں نے سنجیدگی کا چولا اتار کر شوخی سے کہا تو وہ بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اس کی وہ ہنسی میں نے بڑی توجہ سے سنی تھی۔ کل جو لڑکی زندگی سے مایوس تھی، آج اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ میں اس بات پر بے تحاشا خوش تھی۔ بہت خوشی خوشی میں نے اپنا عید کا جوڑا پہنا۔ مجھے اس طرح اہتمام سے تیار ہوتا اور بہت زیادہ خوش دیکھ کر امی سمیت سب ہی حیران تھے۔

خوب اچھی طرح تیار ہو کر اور ثانیہ اور حریم کی عید کی تمام اسپیشل ڈشز سے لطف اندوز ہونے کے بعد میں افشین سے اپنے ہاتھوں پر مہندی لگوانے بیٹھ گئی تھی۔ ثانیہ بھی وہیں بیٹھی مختلف چینلز پر عید کے دن خصوصی پروگرامز دیکھنے اور ان پر تبصرے کرنے میں مصروف تھی۔ فون کی بیل بجی۔ فون شاید حریم نے ریسیو کیا تھا اس نے امی کو آواز دے کر بلایا تھا۔

"مجھے صبح سے ہی شک ہو رہا تھا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ ہمیشہ کی طرح دنیا مافیہا سے بے خبر ہو کر سویا بھی نہیں گیا، پھر یہ اہتمام اتنی تیاری اور تو اور مہندی بھی لگوائی جا رہی ہے۔ کیوں میری پیاری بہنا! ذرا ذہن پر زور ڈال کر یہ بات تو بتاؤ کہ اس سے پہلے کبھی کسی عید پر آپا کو مہندی لگاتے دیکھا ہے؟"

حریم نے اندر آتے ساتھ ہی میری طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ثانیہ اور افشین کو مخاطب کیا۔ ان دونوں نے فوراً ہی نفی میں سر ہلا کر اس کے سوال کا جواب دے دیا تھا۔ امی خاموشی سے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی تھیں۔

"صاف صاف بتا بھی چکو آخر بات کیا ہے؟" ثانیہ اور افشین نے بے صبری سے پوچھا تھا۔

"نیو نے جہاں سے ڈرائیونگ سیکھی تھی، کیا نام بتا رہی تھیں وہ؟"

امی جواب دیتے دیتے خاموش ہو کر اس کا نام سوچنے لگیں تو حریم نے فوراً ان کی مشکل آسان کر دی۔

"نعمان خاور۔"

"ہاں نعمان خاور اس کی والدہ کا فون تھا۔ وہ نیو کو اپنے بیٹے کے لیے پروپوز کرنا چاہتی ہیں۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ ایک دم سے اس طرح گھر آ جانا جبکہ انہیں یہ بات بھی نہیں معلوم کہ نیو کی کہیں بات چیت طے تو نہیں ہو گئی، انہیں مناسب نہیں لگا۔ وہ فون پر مجھ سے یہی پوچھ رہی تھیں کہ نیو کی کہیں بات طے تو نہیں ہوئی۔"

حریم سمیت ثانیہ اور افشین بھی میری طرف بڑی معنی خیز نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ وہ میری تیاریوں کو جس بات کے ساتھ جوڑ رہی تھیں وہ تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ میں اس بات پر اتنی حیران تھی کہ سکتے کے سے عالم میں منہ پھاڑے بیٹھی تھی۔ میری سیدھی سادی، ان رومینٹک زندگی میں اس طرح کی کسی بات کا تو دور دور تک گزر نہیں تھا۔ امی یہ بات بتاتے ہوئے کہ وہ لوگ ابھی تھوڑی دیر میں آنے والے ہیں، کمرے سے اٹھ کر چلی گئی تھیں۔ ان کے جاتے ہی وہ تینوں جو امی کا تھوڑا بہت لحاظ کر رہی تھیں

خواتین ڈائجسٹ پبلی کیشنز کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت تحفہ

میری جنت

نوربانو مجحوب

شائع ہو گیا ہے

خوبصورت سرورق مضبوط جلد

آفسٹ چھپائی آفسٹ پیپر

قیمت =/250روپے

ڈاک خرچ =/25روپے

کتاب منگوانے کا پتا

مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار

کراچی فون: 2216361

بچے چھاڑ کر میرے پیچھے پڑ گئیں۔ شام میں وہ لوگ آنے والے تھے۔ کچھ دیر بعد ثانیہ مجھے بلانے آگئی تو اپنی تمام تر خوداعتمادی کے باوجود مجھے ڈرائنگ روم میں جا کر نعمان کی فیملی سے ملنا بہت مشکل کام لگ رہا تھا۔ پتا نہیں اس کی والدہ کی میرے بارے میں کیا رائے ہوگی، پتا نہیں وہ کیا سمجھتی ہوں گی کہ میرا ان کے بیٹے کے ساتھ کتنا زبردست قسم کا افیئر چلا رہا ہے۔ یہی سب سوچتے ہوئے میں ٹشو اٹھا کر میک اپ صاف کرنے لگی تو ثانیہ چلائی۔

"اتنی اچھی لگ رہی ہیں، کیوں خوامخواہ حلیہ بگاڑ رہی ہیں۔"

"وہ کیا سمجھیں گی۔ میں خاص طور پر ان کی وجہ سے تیار ہوئی ہوں۔" میں نے جھنجلائے ہوئے انداز میں اسے سمجھانا چاہا تو وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"صرف وہی کیوں، سمجھ تو ہم لوگ بھی یہی رہے ہیں۔" میں نے جواباً اسے غصے سے دیکھا تھا لیکن وہ میرے غصے کو نظرانداز کر کے ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے مجھے ڈرائنگ روم میں لے آئی تھی۔ وہاں نعمان کی والدہ … اور بہن امی کے ساتھ باتیں کرنے میں مصروف تھیں۔ وہ بڑی گرم جوشی سے مجھ سے ملیں۔ ان لوگوں کا انداز میری توقعات کے بالکل برعکس تھا۔ نہ انہوں نے سر سے لے کر پاؤں تک مجھے خوب گھور گھور کر پوسٹ مارٹم کرنے والے انداز میں دیکھا تھا نہ یہ بات جتائی تھی کہ وہ بیٹے کے کہنے پر یہاں آئی ہیں۔ میں پانچ دس منٹ میں وہاں سے بڑی چالاکی سے کھسک لی تھی۔ یہ ساری باتیں اور یہ تمام تر صورت حال میں اتنی آسانی سے قبول کر لینے والوں میں سے نہیں تھی کہ مجھے صائمہ کی بات بھی یاد آرہی تھی۔

"خوامخواہ سامنے والے بندے کو چیلنج نہ کرو۔ اس کو یہ نہ جتاؤ کہ تم ناقابل تسخیر ہو۔ اگر ایسا کرو گی تو وہ تمہیں تسخیر کرنے کو تمہارے پیچھے ہی پڑ جائے گا۔"

ان مردوں کی انا ذرا ذرا سی بات سے ہرٹ ہوتی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ ایسا صرف مجھے تسخیر کرنے کو کر رہا ہے۔ مردوں کے بارے میں تو یوں بھی میری

رائے کچھ خاص اچھی نہیں۔ میں تیزی سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آگئی اور اپنے بیگ کو پورا کا پورا بیڈ پر الٹ کر اس میں سے گرے ڈھیر سارے کاغذوں اور دیگر الم غلم میں سے ایک وزیٹنگ کارڈ ڈھونڈنے کی کوششیں کر رہی تھی۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد میں اسے ڈھونڈ نکالنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ اس پر لکھا ہوا موبائل نمبر میں نے بڑی تیز رفتاری سے ملایا تھا۔

"ہیلو!" اس کی بڑی جاندار آواز سنائی دی تھی۔

"میں نیو۔" میں نے ابھی صرف اپنا نام ہی لیا تھا کہ وہ بری طرح چونکتے ہوئے بولا۔

"جی نیو! کہیے کیا کام ہے؟" بولنے کا انداز ایسا تھا جیسے اس سے پہلے میرے سب کام وہی کرتا رہا تھا۔ میں اس معصومانہ انداز پر چڑ گئی تھی۔

"آپ نے اپنی ممی کو میرے گھر کیوں بھیجا ہے؟" میرا انداز بہت رعب دار اور بڑا دوٹوک قسم کا تھا۔

"وہ جس بھی وجہ سے آئی ہیں، اس کی انہوں نے وجہ بھی ضرور بتائی ہوگی۔" اس نے مہذب انداز میں جواب دیا۔

"میں آپ سے سننا چاہتی ہوں وہ وجہ۔" میں اس سے بات کرتے ہوئے بالکل بھی نروس نہیں تھی۔ میرا لہجہ بہت پر اعتماد سا تھا۔

"کسی لڑکی کے گھر رشتہ اسی لیے بھجوایا جاتا ہے کہ اس سے شادی کرنی ہوتی ہے۔" وہاں ہنوز وہی سنجیدہ اور مہذب سا انداز تھا۔

"یہی تو پوچھ رہی ہوں کہ آپ مجھ ہی سے کیوں شادی کرنا چاہتے ہیں۔" میں نے مجھ ہی پر خاصا زور ڈالا تھا۔

مجھے ریسیور میں سے اس کی ہلکی سی ہنسی کی آواز سنائی دی تھی۔ پتا نہیں میرے سوال میں ایسی کیا بات تھی جسے وہ انجوائے کر رہا تھا۔

"اگر آپ وعدہ کریں کہ آپ کے اس سوال کے جواب میں میں جو بات بتاؤں گا، اسے سن کر آپ ناراض نہیں ہوں گی تو میں بتانے کے لیے [illegible] ہوں۔"

پتا نہیں اس کے لہجے میں ایسی کیا بات تھی [illegible] بری طرح بوکھلا گئی تھی۔ مجھ سے جواب میں [illegible] نہیں بولا جا سکا تھا۔ اس نے ایک سیکنڈ میرے [illegible] کا انتظار کیا پھر خود ہی بولنا شروع ہوگیا۔

"اب چاہے تمہیں میرا تم کہنا کتنا ہی برا [illegible] لگے لیکن مجھے تو یہ بات بڑی عجیب سی لگے گی [illegible] لڑکی سے میں اظہار محبت کرنے جا رہا ہوں اسے [illegible] کے پر تکلف انداز میں مخاطب کروں۔"

مجھے اپنی طراری رخصت ہوتی ہوئی محسوس [illegible] رہی تھی۔ اسی وقت گیٹ پر بیل کی آواز سنا[illegible] تھی۔

"گیٹ پر بیل ہو رہی ہے۔ میں آپ سے بعد [illegible] بات کروں گی۔"

میں نے اس کا جواب سنے بغیر ہی فون بند کر [illegible] خود کو اس مشکل سے نکالنے کا اور کوئی طریقہ [illegible] سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ بیل چھوٹے والے گیٹ [illegible] ہوئی تھی اور اس گیٹ کی بیل کی آواز ڈرائنگ رو[illegible] لاؤنج میں ذرا مشکل سے سنائی دیتی تھی۔ میں [illegible] سے چلتی ہوئی گیٹ پر آئی اور پتا نہیں کس دھیان [illegible] بغیر پوچھے ہی گیٹ کھول دیا۔ جس شخص سے ابھی [illegible] میں فون پر پیچھا چھڑا کر آئی تھی۔ اسے اپنے سا[illegible] کھڑے دیکھ کر میری ساری بہادری اور اعتماد ہو[illegible] گیا۔ وہ میرے چہرے پر بکھری حیرانی اور گھبراہٹ [illegible] دیکھ کر مسکرا دیا۔

"ممی اور صدف کو چھوڑ کر بھی میں ہی گیا [illegible] اب واپس لینے کے لیے آ رہا تھا جب راستے میں [illegible] مجھے اپنے رعب اور دبدبے سے ڈرانے کی کو[illegible] کی۔"

اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے موبا[illegible] طرف اشارہ کرتے ہنستے ہوئے کہا۔

"تم جیسی لڑکی سے اس قسم کے بلکہ اس سے [illegible] زیادہ خطرناک رد عمل کی میں توقع کر رہا تھا۔ ڈ[illegible]

مارے اسی لیے خود تمہیں فون بھی نہیں کیا تھا۔ ممی سے کہا کہ آپ ہی فون کریں، آپ کے لحاظ میں شاید خاتون کچھ نہ کہیں۔ کتنی بزدلانہ بات ہے یہ کہ جس لڑکی سے آپ محبت کرتے ہوں، اس سے شادی کرنے کا فیصلہ کر چکے ہوں، اس سے اپنی محبت کا اظہار نہ کر سکیں۔"

وہ بہت مزے سے اپنی بزدلی کا اور مجھ سے خوفزدہ ہونے کا اعتراف کر رہا تھا۔ میں خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اسے اندر آنے کو بھی نہیں کہا۔

"تم سے شادی کا فیصلہ میں اسی وقت کر چکا تھا جب تم نے مجھ سے ڈرائیونگ سیکھی تھی۔ تمہاری بہادری، تمہارا اعتماد اور سب سے بڑھ کر خود اپنی حفاظت کرنے والا ایسا انداز کہ کوئی تم سے غیر ضروری بات تک کرنے کی ہمت نہ کر سکے۔ مجھے اتنا اچھا اور اتنا مختلف لگا تھا کہ میں نے سوچ لیا تھا مجھے اسی لڑکی سے شادی کرنی ہے۔ لیکن میں چاہتے ہوئے بھی تم سے اپنی اس خواہش کا اظہار نہیں کر سکا تھا۔ مجھے ڈر لگا تھا کہ کہیں تم یہ نہ سمجھو کہ میں تمہارے ساتھ فلرٹ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ میں اس وقت شادی کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ مجھے اپنی دونوں بہنوں کی شادیاں کرنا تھیں، ان کی شادی سے پہلے میں اپنے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ مجھے پتا تھا تم تک پہنچنے کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ تمہارے گھر آ کر باقاعدہ رشتہ مانگا جائے۔ اس بات کے بغیر خالی خولی میرے اظہار محبت اور شادی کے وعدے کو تو تم نے کچرے کے ڈبے میں ہی ڈال دینا تھا اور مجھے ایسی ایسی سنائیں کہ میرے ہوش ٹھکانے آ جاتے۔ یہی سب سوچ کر میں خاموش رہا تھا۔ یہ سوچ کر کہ اگر میری لگن سچی ہے تو یہ لڑکی مجھے ہی ملے گی۔ اور آج جب اس وقت میں تمہارے سامنے کھڑا ہوں تو پورے اعتماد سے یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ میری لگن اور میری محبت بالکل سچی تھی۔"

محبت کیسی ہوتی ہے؟ چاہے جانے کا احساس کیسا ہوتا ہے؟ آپ کسی کے لیے اتنے اہم ہو جائیں کہ وہ اکثر آپ ہی کے بارے میں سوچا کرے۔ یہ احساس کیسا ہوتا ہے مجھے ان سوالوں کے جواب مل رہے تھے۔ محبت میرے بالکل قریب تھی۔ میں اسے دیکھ سکتی تھی، محسوس کر سکتی تھی، جس کے لیے میں بہت اہم تھی وہ میرے بالکل سامنے کھڑا تھا۔ خوشیوں نے چاروں طرف سے مجھے اپنے گھیرے میں لیا ہوا تھا، میرے لیے یہ عید پچھلی تمام عیدوں سے مختلف اور کبھی بھی نہ بھولی جانے والی عید تھی۔

آٹھ سال کی عمر میں اپنی انگلش کی کتاب میں، میں نے ایک سبق پڑھا تھا اس کی ایک بات مجھے آج تک یاد ہے۔

"خوشیوں کو پانا چاہتے ہو تو کبھی ان کے پیچھے بھاگنے کی کوشش نہ کرو، بلکہ دوسروں کے دلوں میں خوشیاں پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ تم دیکھو گے کہ خوشیاں خود تمہارے پیچھے بھاگنے لگی ہیں۔"

میرے ساتھ بالکل ایسا ہی ہوا ہے۔ وہ ایک دل جس تک عید کی کوئی خوشی پہنچ نہیں رہی تھی، میں نے اس تک عید کی خوشیاں پہنچانے کی کوشش کی، بالکل بے غرض ہو کر۔ یہ سوچے بغیر کے اس نیکی کے عوض اللہ مجھے کچھ عطا کرے گا یا نہیں۔ ہم سب بہت سی نیکیاں کرنا چاہتے ہیں۔ صدقات، خیرات، عبادتیں۔ کسی کے دل میں خوشی کا احساس پیدا کروانا بھی تو ایک عبادت ہے۔

یہ عید تو گزر چکی، اگلی عید پر آپ بھی ایسی ہی کوئی چھوٹی سی نیکی کر کے دیکھیے گا، مجھے پتا ہے میری ہی طرح آپ سب بھی خوشیوں کے جگنو اپنی مٹھی میں بند کر لینا چاہتے ہیں۔

ہم سب خوشیوں کو ڈھونڈتے ہیں، انہیں پانا چاہتے ہیں۔ ان کے پیچھے پیچھے بھاگتے ہیں، ہمیں ہمارے حصے کی سب خوشیاں مل جائیں ہم اس کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ ایک بار کسی دل کو خوشی دینے کی کوشش کر کے ضرور دیکھیں، میری ہی طرح خوشیاں آپ کے بھی تعاقب میں آ جائیں گی۔ آپ خوشیوں کو نہیں ڈھونڈیں گے، خوشیاں آپ کو ڈھونڈیں گی۔

☼